زیرِ سرپرستی داعیٔ اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ

خضرِ راہ

جلد 1

شمارہ 4

اپریل ۲۰۱۳ء

جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ

مولانا حسن سعید صفوی

نگرانِ اعلیٰ شاہ صفی اکیڈمی

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : شوکت علی سعیدی

مدیر مسئول : محمد جہانگیر حسن

معاون مدیر : ضیاء الرحمٰن علیمی

معاون مدیر : اشتیاق عالم مصباحی

مجلس منتظمہ

نگراں : غلام مصطفیٰ ازہری

سرکولیشن منیجر : اشتیاق احمد عارفی

کمپوزر : رکن الدین سعیدی

تزئین کار : تنویر احمد

نوٹ: مضمون نگار کے افکار ونظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

ترسیل زر کا پتہ : Shah Safi Academy, HDFC Bank A/c : 22631450000118

مراسلت کا پتہ

ماہنامہ خضرِ راہ

KHIZR-E-RAH (MONTHLY)

JAMIA ARIFIA, Saiyed Sarawan,
Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213

E-mail : khizrerah@gmail.com

Mob.: 9312922953, 7860604036

ڈرافٹ SHAH SAFI ACADEMY کے نام بنوائیں

قیمت فی شمارہ	₹ 20
قیمت سالانہ	₹ 200
لائبریری اور سرکاری ادارے	₹ 500
بیرون ممالک	$ 40
اعزازی ممبر شپ	₹ 5000

پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر شوکت علی نے کائنات پبلیکیشن اینڈ پرنٹرس H-14 ساؤتھ ہاؤسنگ اسکیم، تلسی پور، الہ آباد، سے طبع کراکر آفس ’’ماہنامہ خضرراہ‘‘، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد، یو۔ پی سے شائع کیا۔

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا

ناشر شاہ صفی اکیڈمی / جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یو۔پی)

خضر راہ

حمد ومدح:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۳	ضیائے حدیث:	مقصود عالم سعیدی	۱۲
عرفانی مجلس:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۴	شہ پارۂ اسلاف:	نظام الدین یمنی قدس سرہٗ	۱۴
اداریہ:	جہاں گیر حسن مصباحی	۵	اسرار التوحید:	شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ	۱۷
فکر وخیال:	شوکت علی سعیدی	۷	شخصیت:	ذیشان احمد مصباحی	۱۹
دعوت قرآن:	ذیشان احمد مصباحی	۹	خطبہ:	مفتی کتاب الدین رضوی	۲۳

علم و عرفان

مضامین	مضمون نگار	صفحہ
اللہ کی ربوبیت کا مفہوم	ضیاء الرحمن علیمی	۲۷
کیا بیعت، واجب شرعی ہے؟	غلام مصطفیٰ ازہری	۳۱
دنیا کی محبت میں کوئی خیر نہیں	اشتیاق عالم مصباحی	۳۴
خوفِ الٰہی	شاہد رضا ازہری	۳۶
قناعت	امام الدین سعیدی	۴۰
کامیاب زندگی کی علامتیں	آفتاب رشک مصباحی	۴۳
بدگمانی گناہ ہے	محمد مدثر رضا مصباحی	۴۷
نیت میں اخلاص کی ضرورت	شاہد حسن نظامی	۴۹
ساس۔ بہو مل کر گھر کو جنت بنا سکتی ہیں	جہاں گیر حسن مصباحی	۵۲
اخلاق اور ہمارا معاشرہ	دانش بقائی	۵۶
ذکر الٰہی اصل زندگی ہے	انجم راہی	۵۸
آپ کے SMS	قارئین	۶۰
مشکل الفاظ کے معانی اور مفاہیم	ادارہ	۶۱

حمد و مدح

سوا اُس کے نہیں کوئی

وہی اول وہی آخر سوا اُس کے نہیں کوئی
وہی باطن وہی ظاہر سوا اُس کے نہیں کوئی

ردائے لالہ و گل ہو کہ حسن ماہ و پرویں ہو
ہر اک پردہ میں وہ ظاہر سوا اس کے نہیں کوئی

جدھر دیکھو اُسے دیکھو جہاں دیکھو اُسے دیکھو
وہی ہر سو ہے جلوہ گر سوا اُس کے نہیں کوئی

کرشمہ اُس کی قدرت کا ہر اِک شئے میں نمایاں ہے
تجلّی اُس کی ہے سب پر سوا اُس کے نہیں کوئی

وہ ہر ظاہر سے ظاہر ہے وہ ہر باطن سے باطن ہے
کوئی دیکھے تو یہ منظر سوا اُس کے نہیں کوئی

کوئی دیکھے تو کیا دیکھے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے
سمجھ سے جو ہے بالا تر سوا اُس کے نہیں کوئی

ہر اِک صورت کے پردے میں ہر اِک شئے میں بہر صورت
سعیدؔ اللہ ہے جلوہ گر سوا اُس کے نہیں کوئی

رنگ علی اور بوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قبلۂ عشق ہے روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
طاق حرم ابروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

صبح ازل ہے روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
شام ابد گیسوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حور اور غلماں چاک بداماں جن و ملک سو جان سے قرباں
پیشِ جمال روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رشک کا ساماں فرشِ زمیں ہے حاصل عیش خلد بریں ہے
دیکھ بہارِ کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کیف کا عالم ہے محفل میں جذب ہے ایسا دیدہ و دل میں
رنگ علی اور بوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ سعیدؔ بے سروساماں کیف جنوں میں یوں ہے غزل خواں
عشق ہے یا جادوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی

عرفانی مجلس

افادات: حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی/ ترتیب: مجیب الرحمٰن علیمی

اعتدال اور مقام آدمیت پر استقامت

حضور داعی اسلام ادام اللہ ظلہ علینا نے درمیان گفتگو فرمایا کہ:

وہ شخص جو معاشرے میں قابل احترام ہو، لوگ جس کے ہاتھ اور پاؤں چومتے ہوں اس شخص کو حجر اسود کی طرح ہونا چاہیے کہ حجر اسود کو نہ جانے کتنے انبیا اور اولیا نے بوسہ دیا مگر حجر اسود، حجر اسود ہی رہا۔ اس کی حالت کبھی متغیر نہ ہوئی، نہ اس کو غرور آیا اور نہ ہی وہ خوشامدی کا طلب گار ہوا۔

اسی طرح وہ لوگ جن کے ہاتھ پاؤں چومے جاتے ہیں، ان کو بھی ایک ہی حالت یعنی اعتدال اور مقام آدمیت پر استقامت کے ساتھ باقی رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرنا چاہیے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۲۳ (سورۂ اعراف)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم ضرور گھاٹے والوں میں ہوں گے۔

کسی کے ہاتھ اور پاؤں چومنے سے نہ خوش ہونا چاہیے اور نہ مغرور اور نہ ہی نہ چومنے والے سے شاکی ہونا چاہیے، بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو ظالم اور گناہ گار سمجھنا چاہیے۔ آنے والا ہاتھ اور پاؤں چومے یا نہ چومے کوئی فرق نہ پڑے۔ اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حجر اسود لائق تقلید اور قابل رشک ہے۔

☆☆☆

جہاں گیر حسن مصباحی

خضر راہ

اللہ تعالیٰ کا ہم جس قدر بھی شکرادا کریں کم ہوگا کہ اس نے ہمیں نیک صحبتوں کی برکتیں عطا کیں اور نیکوں کی جھرمٹ میں رہ کر دین کی خدمت کا موقع عنایت فرمایا۔ ورنہ ہم کہاں اور یہ اہم ذمے داری کہاں؟ لیکن: ؎

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا　　　　کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

پچھلے سال فروری ۲۰۱۲ عیسوی میں جب ''خضرراہ'' کی بات چلی اور رفیق گرامی مولانا شوکت علی سعیدی سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو اس وقت ہمارے ذہن میں یہ بات دور دور تک بھی نہیں تھی کہ ''خضرراہ'' عوام تو عوام خود ہمارے لیے ایک رہنما، امام اور ہادی ثابت ہوگا، لیکن ایسا ہونا تھا اور ہوا بھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مضامین کی ترتیب کے دوران جو روحانی، عرفانی اور ایمانی باتیں ہمیں سیکھنے کو ملتی ہیں وہ بہت ہی کم لوگوں کے حصے میں آتی ہوں گی۔

فروری ۲۰۱۳ میں ''خضرراہ'' اپنا ایک سالہ دور گزار کر اپنی زندگی کے دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہے، اس دوران ''خضرراہ'' کی کارکردگی اور خدمات کا جائزہ لینے سے یہ اصلیت سامنے آتی ہے کہ یہ رسالہ اپنے معاصر رسالوں میں ہر اعتبار سے ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔ اب تک جتنے شمارے شائع ہو چکے ہیں اُن میں کوئی رسالہ ایسا نہیں ہے کہ جس کی تبلیغی و دعوتی اور اصلاحی واخلاقی اہمیت وافادیت سے انکار کیا جائے، ویسے تو ہر شمارہ اپنی مثال آپ رہا ہے۔ لیکن بالخصوص رمضان کا خصوصی شمارہ (ماہ جولائی: ۲۰۱۲)، پیغام سیرت نمبر (ماہ جنوری: ۲۰۱۳) اور محبوب سبحانی ومحبوب الٰہی (ماہ فروری-مارچ: ۲۰۱۳) کی حیات وتعلیمات پر مبنی خصوصی شمارے قابل ذکر ہیں۔ اِن خصوصی شماروں کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ماہانہ اشاعتی تعداد سے دوگنا زیادہ تعداد میں یہ خصوصی شمارے چھپوائے گئے اور وہ بھی کم پڑ گئے۔

''خضرراہ'' کا ایک ممتاز پہلو یہ بھی ہے کہ خصوصی شمارہ نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے مضامین کی انفرادیت کے سبب خصوصی شماروں کی شان رکھتا ہے، مثال کے طور پر سال: ۲۰۱۲ میں ماہ اکتوبر (بقرعید)، ماہ نومبر (محرم) اور ماہ دسمبر (صفر) کے شمارے دیکھے جاسکتے ہیں۔ اِس رسالے نے ایک سال میں جس قدر خصوصی گوشوں پر مشتمل شمارے دیے ہیں وہ دیگر رسالوں کے لیے مشکل تو نہیں لیکن ایک خواب ضرور ہے۔ (والحمدللہ علی ذلك)

فروری ۲۰۱۳ سے ایک نیا کالم ''آپ کے SMS'' شروع کیا گیا ہے، اس میں موصول ہوئے پیغامات کی بنیاد پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارا یہ رسالہ نہ صرف کامیاب ہے، بلکہ پڑھے لکھے لوگوں کو بھی اس بات کا احساس دلا رہا ہے کہ دینی بیداری کے لیے ''خضرراہ'' کا مطالعہ ضروری ہے۔ ثبوت کے طور پر ہم اپنے قارئین کے چند منتخب پیغامات درج کررہے ہیں:

۱۔ ''میں نے آپ کے خضرراہ کا مطالعہ کیا۔ یہ انسان کو حقیقت میں مومن بنانے والا رسالہ ہے۔ اس کے مضامین کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب یہ رسالہ پوری دنیا کو دین سمجھاتا ہوا نظر آئے گا۔'' (اپریل، ۲۰۱۳)

۲۔ ’’ماہنامہ خضر راہ کا ایک سالہ سہانہ سفر پورا ہوتا دیکھ کر آج بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ اس ایک سال میں، میں نے اس سے جتنا استفادہ کیا اس کے متعلق میں بغیر ریا کاری کے یہ کہوں گا کہ یہ ماہنامہ ایک ’’طالب صادق‘‘ مرید کے لیے پیر کے ذریعے بھیجا گیا وہ ’’خط‘‘ ہے جس سے مرید ہر مہینے تربیت پا تا رہے۔‘‘ (اپریل، ۲۰۱۳)

۳۔ ’’ماہنامہ خضر راہ بار بار مطالعہ کرتا آیا ہوں۔ اس میں بہت عارفانہ مواد ہوتے ہیں۔‘‘ (اپریل، ۲۰۱۳)

۴۔ ’’یوں تو پورا خضر راہ پسند ہے مگر خصوصی طور پر شیخ صاحب کی نعتیں اور عرفانی مجلس بہت پسند آتی ہیں، اس کے پڑھنے سے علمی اور روحانی دونوں فائدے ہوتے ہیں۔ جب بھی پڑھتا ہوں روح عمل کے لیے بے قرار اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے بے چین ہو جاتی ہے۔‘‘ (فروری۔ مارچ، ۲۰۱۳)

۵۔ ’’آپ کا ماہنامہ مجھے اتنا پسند ہے کہ میں اس کو لفظوں میں نہیں بیان کر سکتا۔ اِس کتاب نے میری دل کے دنیا بدل دی۔ کتاب کا کوئی ایسا مضمون نہیں جس کو میں نے تین سے چار مرتبہ نہ پڑھا ہو۔ اس کے بار بار پڑھنے کی وجہ سے میں لوگوں کو دینی باتیں بتا تا ہوں۔‘‘ (فروری۔ مارچ، ۲۰۱۳)

اِن تمام باتوں سے اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے کہ ’’خضر راہ‘‘ کا معیار کیا ہے اور عوام الناس میں اِس کی مقبولیت کتنی ہے۔

ابھی تازہ شمارہ جس کو آپ پڑھیں گے ہمیں یقین ہے کہ یہ رسالہ بھی اپنی نوعیت کا منفرد اور افادی اعتبار سے انمول ثابت ہوگا۔ اس شمارے میں جتنے بھی مضامین شامل ہیں وہ ہر جہت سے مکمل ہیں اور آپ کو اخلاقی و اصلاحی اور ایمانی و عرفانی غذا بخشنے کی بھر پور صلاحیت رکھتے ہیں۔ سلسلہ وار مضامین سے لے کر متفرق مضامین تک اپنی خوبیوں کی وجہ سے مطالعہ کے قابل ہیں۔ کیا بوڑھے، کیا جوان، کیا علما اور کیا طلبا سب کے ذوق وشوق کے سامان اِس رسالے میں موجود ہیں، بلکہ گھریلو مسائل ومشکلات کا حل اور اس کا طریقہ بھی خواتین کے لیے کشش کا باعث ہے، مثلا: اِس میں آپ ربوبیت کا اصلی اور حقیقی مفہوم سمجھ سکیں گے اور قناعت کے اسرار سے واقف ہو سکیں گے۔ آپ کے لیے یہ معلوم کرنا آسان ہوگا کہ دنیا کے مقابلے دین کی محبت کیوں ضروری ہے، نیز ایک کامیاب زندگی کی علامتوں سے آگاہی حاصل کرنے میں سہولت ہوگی۔ بیعت، دین و دنیا دونوں کی ضرورت ہے، آپ اس تعلق سے سیر حاصل بحث پڑھ سکیں گے اور اس پہلو کو جان سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف دلوں میں کیسے پیدا ہوگا۔

بدگمانی سے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں اور خوش گمانی سے آپ کو کیا کیا فائدے ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم ہر شک وشبہ سے پاک ہے تو اس کی وجہ کیا ہے اور معاشرے میں اخلاق کی اہمیت کیا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ خواتین گھریلو ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے کس طرح ایک دوسرے کو تعاون دے سکتی ہیں اور بد نیتی آپ کی ساری زندگی کی عبادات کو پل بھر میں کیسے ملیا میٹ کر سکتی ہے، نیز آپ پر یہ راز کھلے گا کہ رجوع الی اللہ اور مجاہدہ و ریاضت ایک مومن بندے کو کیسے پرہیز گار بناتی ہے؟

غرض کہ ہر اس سوال کا جواب اس رسالے میں مل جائے گا جو آپ کی تلخ زندگی آپ سے کرتی ہے اور ہر اس مشکل کا حل آپ کو مل جائے گا جس کے آپ ضرورت مند ہیں اور جس کی تلاش میں پوری انسانیت اِدھر اُدھر بھٹک رہی ہے۔

ہر طالبِ صادق کے لیے بے شک وشبہ　　تا جلوہ گہِ ناز میں اک سیدھی سڑک ہوں

٭٭٭

اسلام، ایمان اور احسان

اسلامی قانون اور نظام (Islamic Law and Order) انسانی زندگی کے لیے ایک مکمل اور بہترین راستہ ہے، جس پر چل کر اس زندگی کو بہت ہی خوبصورت بنایا جاسکتا ہے۔

انسانی سوسائٹی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، اس کے لیے Law and Order (قانون اور نظام) کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ اثاثہ ہے جس پر انسانیت کی بقا ہے۔

غور سے دیکھیں تو انسان تین چیزوں سے مرکب ہے نفس، عقل، روح۔

اسلام نے اِن تینوں کی پرورش کے لیے تین اہم چیزیں دی ہیں: اسلام، ایمان اور احسان۔

۱۔ اسلام ہمارے انفرادی اور اجتماعی جسمانی نظام کو درست رکھتا ہے۔

۲۔ ایمان ہمارے دماغی اور ذہنی نظام کو درست رکھتا ہے۔

۳۔ احسان ہمیں اپنی اہمیت اور روحانی قوت کا احساس دلاتا ہے اور اخلاقیات کو پختہ کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت ان تینوں کی تعلیم وتربیت سے اپنے صحابہ کو آراستہ کیا، جس کے نتیجے میں پوری دنیا کے لیے ایک آئیڈیل سوسائٹی کا ماڈل سامنے آیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نظام کی درستگی کے لیے تینوں اجزا نفس، عقل اور روح کا صحت مند ہونا ضروری ہے اور ان کی صحت کا دارومدار اسلام، ایمان، احسان پر ہے۔

شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی اکثر فرماتے ہیں کہ:

اسلام کی مثال ایک درخت کی سی ہے، ایمان اس کی جڑ اور احسان اس درخت کا پھل ہے۔

ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی درخت کی جڑ کمزور ہو جائے تو اس سے نہ پھل آنے کی امید کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی حیات کی کوئی امید رہ جاتی ہے۔ بس وہ ایک ستون کی طرح کھڑا ہے جسے درخت کے طور پر جانا جاتا ہے۔

پوری دنیا میں اسلام کی حالت ایسے ہی درخت کی ہوگئی ہے۔ لوگ اسلامی قوانین پر عمل کرنے میں شرم محسوس کر رہے ہیں، یقین کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ نکلتا نظر نہیں آ رہا ہے۔

اس کی وجہ کہیں یہ تو نہیں کہ ہم نے درخت کے تنوں اور شاخوں پر تو خوب توجہ کی اور جڑ کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں کیا، یعنی: کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوۃ کی ظاہری ساخت پر تحریراً، تقریراً اور عملاً بھرپور توجہ رہی اور اس کے باطن، ایمان و عقیدے پر کبھی غور ہی نہیں کیا اور دل ہی دل میں وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آل عمران: ۱۳۹) (اگر مومن ہو تو ضرور سر بلند رہو گے) کے پھل کھانے کے انتظار میں درخت کی نگرانی میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیا۔

ہم پر یہ واضح ہونا چاہیے کہ بغیر ایمان کی مضبوطی کے اولاً تو اسلام پر عمل کرنا مشکل ہے اور اگر ظاہری طور پر عمل ہو بھی

جائے تو اللہ عز وجل نے جن نعمتوں کا ذکر کیا ہے، وہ ہمیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ اسلام، ایمان اور احسان، نفس، عقل اور روح پر یکساں توجہ دی جائے۔

کوئی یہ کہہ کر نہ گزر جائے کہ ہم تو مسلمان ہیں، ہم سے صرف اسلامی باتیں کرو اور یہ ایمان و احسان کی باتیں صوفیا کرتے ہیں، یہ انھیں کا حصہ ہے۔ بے شک ایمان و احسان صوفیا کا حصہ ہے، لیکن ہم اس وقت تک صحت مند مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایمان و احسان میں سے ہمیں حصہ نہ ملے۔

آپ نے غور کیا ہوگا کہ ماہنامہ خضر راہ نے مارچ ۲۰۱۲ سے اپنا سفر شروع کیا اور اب اپنی عمر کا ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہے۔ تمام رسالے انھیں تینوں (اسلام، ایمان اور احسان) کے گرد مختلف زاویوں سے قوم کی جسمانی، ذہنی اور روحانی صحت یابی کے لیے حریص و متمنی رہے اور آئندہ بھی رہیں گے۔

اس رسالے کے ذریعے ہم علما کو یہ پیغام دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنی ذمے داری کو سمجھیں اور اسلامی قانون اور نظام (Islamic Law and Order) پر عمل کرتے ہوئے اسے دوسروں پر نافذ کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور اسلام کے درخت کو ایمان اور احسان (پانی اور کھاد) کے ذریعے صحت یاب کرتے رہیں اور عوام کی یہ ذمے داری ہے کہ علما کے ارشادات کو سن کر اُنھیں نظر انداز نہ کریں۔

اسلام کے اُس درخت کو اپنے گھر (وجود) میں لگائیں جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور جس میں پھل آنے کی امید ہوتا کہ اس سے ٹھنڈک حاصل کر سکیں، سکون حاصل کر سکیں اور پھل کھا کر خود بھی صحت مند رہیں اور دوسروں کو بھی صحت مند رکھیں۔

مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عامی
دیا ہے میں نے انھیں ذوقِ آتش آشامی

عجب نہیں کہ مسلماں کو پھر عطا کر دیں
شکوہِ سنجر و فقرِ جنید و بسطامی

✲✲✲

عوام و خواص کے دل کی آواز — قارئین کی پہلی پسند — دین دار بنانے والا رسالہ

ماہنامہ خضر راہ

ایجنسی حاصل کرنے کا سنہرا موقع

(ایک شہر میں ایک ہی ایجنسی دی جائے گی، پہلے ایجنسی حاصل کرنے والے کو ترجیح)

جلدی رابطہ کریں:

Mob: 09312922953, 07860604036

E-mail: khizrerah@gmail.com

قرآن کا دامن ہر شک وریب سے بے غبار ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ ۔(سورۂ بقرہ)

ترجمہ: یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ ہدایت ہے ان متقی انسانوں کے لیے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں کو ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ جو ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل کی گئیں اور ان باتوں پر بھی جو تم سے پیشتر نازل کی گئیں اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب وکامران ہیں۔ (بقرہ:۲-۵)

ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی نے جو فقہ رفع خلاف کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، ان تمام اختلافات کو اپنی بصیرت افروز نکتہ آفرینی سے ختم فرمادیا، فرماتے ہیں:

”حروف مقطعات (Indivisual Letters) کے سلسلے میں علما کے تمام اقوال اپنی جگہ پر درست ہیں، ان میں کوئی حقیقی تضاد نہیں ہے۔ سب کی باتیں خاص اعتبار سے ہیں نہ کہ ہر اعتبار سے۔ جس نے کہا کہ مقطعات کا علم صرف اللہ کو ہے وہ بھی درست ہے۔ جس نے کہا کہ صرف اللہ ورسول کو ہے اس کی بات بھی درست ہے اور جس نے کہا کہ اللہ ورسول کے ساتھ خاص متقین وعارفین کو بھی ہے وہ بھی حق بجانب ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ کا علم مثل آفتاب ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کا علم اس کی کرنوں کی طرح ہے، عارفین ومتقین کا علم زمین پر پڑنے والی روشنی کی طرح ہے اور عام مومنین کا علم گھروں کے اندر سورج کی روشنی سے پیدا ہونے والے اجالے کی طرح ہے۔

اب جس نے سورج کو دیکھا اس نے کہا کہ روشنی درحقیقت سورج میں ہے، بات درست ہے کہ جیسی روشنی سورج کے اندر ہے وہ باہر نہیں، جس نے کہا کہ سورج اور اس کی کرنیں یہی روشنی ہیں، اس کی بات بھی درست ہے کہ ایسی روشنی کہیں اور کہاں، باقی مقامات پر تو اسی روشنی کا اجالا ہے اور جس نے کہا سورج بھی روشن، اس کی کرنیں بھی روشن، زمین بھی روشن اور درون خانہ بھی روشن، اس کی بات بھی درست ہے۔ روشنی ہر جگہ ہے لیکن اعلیٰ کی طرف نسبت کریں تو ادنیٰ کے اندر روشنی نہیں ہے۔ علم ہر جگہ ہے لیکن اعلیٰ کی طرف نظر کریں تو ادنیٰ کا علم جہل جیسا ہے۔ علم الٰہی کے سامنے علم

رسالت ایک قطرۂ سمندر سے بھی کم ہے۔علم رسالت کے سامنے اولیاوصالحین کا علم تری جیسا ہے اور عام مومنین کا علم اولیاوصالحین کے علم کے بالمقابل نمی جیسا۔مقطعات کا علم، یا کوئی بھی علم کم وکیف ہر اعتبار سے جیسا اللہ کو ہے ویسا رسولوں کو نہیں، جیسا رسولوں کو ہے ویسا عارفین ومتقین کو نہیں اور جیسا عارفین ومتقین کو ہے ویسا عام مومنین کو نہیں۔''

البقرہ کی دوسری آیت ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ.

''یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے متقی انسانوں کے لیے۔''

یہ آیت بظاہر قرآن مقدس کی دوسری سورہ کی دوسری آیت ہے، لیکن مضامین قرآنی کے واضح تفصیلی آغاز کے لحاظ سے یہ قرآن کی پہلی آیت ہے۔یہ آیت سب سے پہلے قرآن کا تعارف کراتی ہے۔یہ تعارف دو حصوں پر مشتمل ہے:

پہلا: قرآن کریم کتاب لاریب ہے، اس میں شک کا گزر نہیں۔

دوسرا: قرآن متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔

قرآن کے کتاب لاریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مضامین ایسے علمی حقائق ومعارف پر مشتمل ہیں کہ بڑے سے بڑا منکر بھی ٹھوس علمی بنیادوں پر ان کا انکار نہیں کرسکتا۔یہ کتاب ایک ایسے پیغمبر امین وصادق کا عطا کردہ ہے جس کی صداقت وامانت کی گواہی اس کے دشمنوں تک نے دی ہے اور آج بھی دے رہے ہیں۔قرآن اپنے اسلوب و عبارت اور حقائق ومعارف ہر لحاظ سے سراپا معجزہ ہے۔قرآن نے مختلف مقامات پر چیلنج کیا ہے کہ اہل عرب کو اگر اس کے من جانب اللہ ہونے میں شک ہو تو وہ اس جیسی ایک آیت ہی پیش کردیں۔روئے زمین پر قرآن ایک ایسی منفرد کتاب ہے جو خود دعویٰ کرتی ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔(حجر:۹) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہے۔(محمد:۲) اس کا محافظ اللہ ہے۔(حجر:۹) اور سب کی ہدایت کے لیے ہے۔(بقرہ:۱۸۵)، اس میں شک کا گزر نہیں۔(بقرہ:۲)

قرآن نازل ہوئے آج ساڑھے چودہ سو سال ہو گئے لیکن آج بھی یہ قرآن اپنے اصل الفاظ کے ساتھ لاکھوں سینوں اور کروڑوں مشینوں میں محفوظ ہے۔علمی اعتبار سے دیکھیے تو ہر دن اس کے محاسن اعجاز کھلتے ہی جا رہے ہیں۔ ہدایت کے اعتبار سے دیکھیے تو آج بھی بطور ہدایت دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ بہرکیف! قرآن کل بھی ہر اعتبار سے کتاب لاریب تھا اور آج بھی ہر شک وریب سے پاک ہے۔البتہ بعض کج فہموں، ہٹ دھرموں اور بے وقوفوں کو یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو یہ ان کے فہم کا قصور ہے۔بقول شیخ سعدی: اگر دن میں چمگادڑ کی نگاہ سورج کو نہ دیکھ سکے تو اس میں سورج کا کیا قصور؟

اس مقام پر قرآن نے اپنا تعارف کراتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ: ''یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔'' جب کہ دوسرے مقامات پر اس نے خود کو ھدی للناس یعنی تمام انسانوں کی ہدایت کا سامان بتایا ہے۔اس عقدے کو حل کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ دراصل قرآنی پیغام ہدایت تو بلاتفریق مذہب سب کے لیے ہے مگر اس کتاب

ہدایت سے کما حقہ فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ طبیعت کے اعتبار سے انسانوں کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم ان انسانوں کی ہے جو چاہے جس گھر میں پیدا ہوں، وہ اپنے پیدا کرنے والے کو تلاش کرتے ہیں، اس کی مرضی کو جاننا چاہتے ہیں اور اس کی مرضی پر چلنا چاہتے ہیں۔اس طبیعت کے لوگ جب قرآن تک پہنچتے ہیں تو بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں: ماھذا کلام البشر۔ یہ کوئی انسانی کلام نہیں، یہ رحمانی کلام ہے۔ایسے لوگ ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اور فلاح پاتے ہیں۔

دوسری قسم ان انسانوں کی ہے جو اپنی طبیعت اور نفس کے پجاری ہوتے ہیں، ایسے لوگ اسی گھر میں ہی کیوں نہ پیدا ہوں جس میں صبح سے شام تک قرآن کی تلاوت ہوتی رہتی ہو، ایسے لوگ ہدایت نہیں پاتے۔وہ قرآن سنتے ہیں مگر قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترتا۔اس لیے دعوت کے لحاظ سے تو قرآن سب کے لیے کتاب ہدایت ہے لیکن قبولیت کے لحاظ سے صرف متقیوں کو اس ہدایت سے فائدہ ہوتا ہے۔اب کس شخص کے اندر متقی بننے کی صلاحیت ہے اور کس میں نہیں، یہ بات ہمیں نہیں معلوم، اس لیے داعی کو چاہیے کہ بلاتفریق ہر فرد بشر تک قرآن کی دعوت پہنچائے، مدعو کے مذہب ومسلک سے سروکار رکھے بغیر داعی کو صرف فریضۂ دعوت سے غرض رکھنی چاہیے۔کیا خبر متقی روحیں کہاں تڑپ رہی ہوں۔

اس کے بعد اگلی دو آیتوں میں متقی انسانوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ ہر آیت میں تین تین صفات کا ذکر ہے۔متقی انسانوں کی یہ کل چھ صفات اس طرح ہیں:

۱۔جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔نماز قائم کرتے ہیں۔

۳۔اللہ کی دی ہوئی چیزوں کو اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

۴۔پیغمبر آخرالزماں جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

۵۔پیش روانبیا پر نازل شدہ باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

۶۔آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس کے بعد اگلی آیت میں ایسے لوگوں کے لیے بشارت دی گئی ہے کہ:

''یہی لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب وکامران ہیں۔''

اوراس طرح البقرہ کی ابتدائی پانچ آیتیں مکمل ہوجاتی ہیں۔

***

ایمان کی لذت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
جس شخص کے اندر یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی چاشنی سے لطف اندوز ہوگا:
۱۔جس کو اللہ ورسول سے زیادہ کوئی محبوب نہ ہو۔ ۳۔جس کو کسی سے صرف اللہ کی رضا کے لیے محبت ہو۔
۳۔جو کفر کرنے کو اتنا ہی برا سمجھے جتنا کہ آگ میں پڑنے کو برا سمجھتا ہے۔ (بخاری، باب الایمان)

وسیلہ احادیث کی روشنی میں

ہر وہ چیز وسیلہ میں شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا سے قریب ہونے میں مدد کرتی ہے، اس لیے جس طرح ایمان اور اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا درست ہے اسی طرح انبیا و مرسلین کی ذات پاک اور اولیا و صالحین کی صحبت و محبت کو بھی وسیلہ بنانا درست ہے۔

ذیل میں کچھ احادیث کریمہ پیش کی جاتی ہیں جن سے وسیلے کی مختلف قسموں پر روشنی پڑتی ہے:

اسم اعظم کا وسیلہ:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اس طرح دعا کرتے ہوئے سنا:

أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ اللهُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ۔

(یا اللہ! میں تجھ سے اس وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، احد ہے، بے نیاز ہے، نہ تو کسی کا باپ ہے نہ کوئی تیرا بیٹا ہے اور نہ کوئی تیرے برابر ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ سَأَلَ اللهَ بِاسْمِهِ الأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهٖ أَعْطٰى، وَإِذَا دُعِيَ بِهٖ أَجَابَ۔ (سنن ابن ماجہ، اسم اللہ الاعظم)

ترجمہ: اس شخص نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کے وسیلے سے سوال کیا اور اس کے ذریعے اگر طلب کیا جائے تو اللہ عطا فرماتا ہے اور دعا کی جائے تو اُسے بھی قبول فرماتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص نماز ادا کر رہا تھا، اس نے اس طرح دعا کی کہ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيعُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ، يَاذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ أَسْأَلُكَ۔

یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم لوگ جانتے ہو کہ اس شخص نے کس کے وسیلے سے دعا کی؟ تو صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اللهَ بِاسْمِهِ الأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهٖ أَجَابَ، وَإِذَا سُئِلَ بِهٖ أَعْطٰى۔

(سنن ترمذی، باب خلق اللہ)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ذریعے دعا کی اور اس کے وسیلے سے دعا کرنے پر اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے اور طلب کرنے پر عطا بھی فرماتا ہے۔

نیک اعمال کا وسیلہ:

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پچھلے زمانے میں تین لوگ کسی سفر میں تھے، جب رات ہوئی تو ایک غار میں ٹھہر گئے، جس کا دروازہ بارش ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا۔ تینوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے یہی ایک صورت ہے کہ ہم سب اپنے اپنے

نیک اعمال کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے اس طرح دعا کی کہ:

یا اللہ! میرے بوڑھے والدین جن کو میں رات میں اپنے اہل وعیال سے پہلے دودھ پلایا کرتا تھا۔ ایک بار دودھ لانے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ جب دودھ لے کر ان کے پاس پہنچا تو وہ سو چکے تھے، میں نے ان کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور ان سے پہلے نہ تو خود میں نے دودھ پیا اور نہ اپنے اہل وعیال کو پلایا، جب کہ میری بچی دودھ کے لیے روتی رہی، میں ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی، جب وہ نیند سے بیدار ہوئے، پھر اُنھیں دودھ پلایا۔

یا اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری رضا اور خوشنودی کے لیے کیا ہو تو اس کے وسیلے سے مجھے اس مصیبت سے بچا۔

چنانچہ پتھر تھوڑا سا کھسک گیا۔

پھر دوسرے نے اس طرح دعا کی کہ:

یا اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی جس سے مجھے محبت تھی۔ ایک بار میں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے منع کر دیا۔ پھر ایک دن میں نے اسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیا کہ میرے ساتھ تنہائی اختیار کرے، چنانچہ وہ تنہائی میں آئی اور جب میں نے اس پر قابو پالیا تو اس نے مجھ سے کہا: اے اللہ کے بندے!

اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ.

ترجمہ: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور ناحق مہر کو نہ توڑ۔

یہ سن کر میں فوراً اس سے الگ ہو گیا، حالانکہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی۔

یا اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا ہو تو اس کے وسیلے سے ہماری یہ مصیبت دور فرما۔

چنانچہ پتھر پھر تھوڑا سا اپنی جگہ سے کھسک گیا۔

پھر تیسرے شخص نے یہ دعا کی کہ:

یا اللہ! میں نے چند مزدوروں کو کام پر رکھا اور سب کو اجرت دے دی۔ مگر ایک شخص اپنی اجرت میرے ذمے چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کی اجرت (مزدوری) کو میں نے تجارت میں لگا دیا اور اس سے بہت سارا مال جمع ہو گیا۔ تھوڑی مدت کے بعد وہ شخص لوٹ کر آیا اور مجھ سے بولا:

اے اللہ کے بندے! میری مزدوری دے۔

چنانچہ میں نے اس سے کہا: یہ سب مال جو تم دیکھ رہے ہو، تمہارا ہے۔ اس نے کہا کہ:

اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَسْتَهْزِءْ بِي. فَقُلْتُ إِنِّي لَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ خُذْ ذٰلِكَ الْبَقَرَ وَرِعَاءَهَا. فَأَخَذَهُ فَذَهَبَ بِهٖ۔

ترجمہ: اے اللہ کے بندے! مجھ سے مذاق مت کر۔ میں نے کہا کہ: میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، یہ گائے اور بکریاں لے۔ چنانچہ وہ انھیں لے کر چلا گیا۔

یا اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری رضا کے لیے کیا ہو تو ہم کو اس مصیبت سے نجات دلا دے۔

اس دعا کے بعد پتھر ہٹ گیا، وہ تینوں غار سے نکل آئے اور اپنے اپنے سفر پر نکل پڑے۔ (مسلم، قصۃ اصحاب الغار الثلاثۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کی جاسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول بھی فرماتا ہے۔

(جاری)

٭٭٭

ریاضت اور مجاہدہ

مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ بلند پایہ صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کی پیدائش 708 ہجری میں ایران کے ایک مشہور شہر ''سمنان'' میں ہوئی اور وفات 808 ہجری کو کچھوچھہ میں ہوئی۔ ''لطائف اشرفی'' مخدوم سمنانی قدس سرہٗ کے ملفوظات اور حالات وسوانح کا مستند اور تحقیقی مجموعہ اور تصوف کے فن پر ایک جامع تالیف ہے، جس کو حضرت مولانا نظام الدین یمنی قدس سرہٗ نے جمع کیا ہے۔

عوام وخواص کی روحانی وعرفانی افادیت کی غرض سے چند منتخب اقتباسات پیش ہیں۔ **(ادارہ)**

سید اشرف جہاں گیر نے فرمایا: مجاہدہ؛ جنگ کرنا ہے نفس کے لشکر (شہوت وغضب) سے اور ریاضت؛ نفس کی اصلاح کرنا ہے غلط خیالات اور وسوسوں کی خرابیوں سے۔

مشائخ اور عارفین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ مجاہدے سے مرتبۂ وصول حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اکثر مشائخ کا کہنا ہے کہ مجاہدہ وصول کا سبب نہیں ہے، اس کی علت یہ ہے کہ سبب اور نتیجے کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا (عمل کے ساتھ اس کا نتیجہ فوراً ظاہر ہوجاتا ہے)، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مجاہدہ تو کرتے ہیں لیکن اُنھیں مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

اس آیت: وَالَّذِینَ جَاهَدُوا فِینَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (اور وہ لوگ جنھوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا ضرور ہم انھیں اپنی راہ دکھائیں گے) میں مجاہدے کا انعام اللہ کی مرضی پر موقوف ہے۔

جو لوگ مجاہدے کو علت قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس آیت پاک میں اللہ کی مرضی مضمر نہیں، لیکن یہ لوگ بھی مجاہدے کو شرطِ علت قرار دیتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اگر کوئی شخص مجاہدہ کرتا ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوتا تو یہ محرومی؛ مجاہدے میں کسی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور اس آیت کریمہ: اُدْعُونِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا) میں بھی اللہ کی مرضی شامل ہے اور یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَاءُ۔ (اللہ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرلیتا ہے جسے چاہے) کو بھی اس پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ مجاہدہ اور طلب کو (اللہ تعالیٰ کے انعام کی) علت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ خاص طور پر اس اعتبار سے کہ یہ امور ازلی ہیں۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ طلب ومجاہدہ علت نہیں ہیں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ خصوصیت شاید نبوت سے متعلق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے نبوت کے لیے منتخب کرے تو یہ تاویل سلف (بزرگوں) کے (عقیدے کے) خلاف ہوگی: ؎

با قبول تو اے زعلت پاک
چہ بود خوب وزشت مشتے خاک
اے یکے خدمت آستانت را
گرگِ یوسف نگار خانت را

ترجمہ: یا اللہ! تو تمام علتوں سے پاک ہے۔ تیری قبولیت کے آگے انسان کے نیک وبد کی کوئی حیثیت نہیں۔

یا اللہ! ایک شخص تیرے آستانے کا خدمت گزار ہے، دوسرا تیرے نگار خانے کے لیے یوسف کا بھیڑیا ہے۔

اصحابِ مجلس اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور استغنا کا یہ بیان سن کر رونے لگے اور عرض کی: جب طلب ومجاہدہ کی حقیقت یہ ہے تو ہماری ساری کوششیں بے کار ہے۔

مخدوم سید اشرف جہاں گیر نے فرمایا:

بات اس طرح نہیں ہے، بلکہ مجاہدے اور ریاضت کی شرط انتہائی درجے تک پوری کرو اور اپنی محنت پر نظر نہ رکھو اور اسے وصول کی علت گمان نہ کرو۔

حضرت قدس سرہٗ نے یہ جملہ کئی بار دہرایا کہ:

مجاہدہ دیکھنے کی چیز نہیں ہے، بلکہ کرنے کی چیز ہے۔

سب سے پہلے تمھیں یہ یقین ہو کہ کفر وایمان اور طاعت ومعصیت تقدیر الٰہی سے وابستہ ہیں۔

البتہ! دل میں تہیہ کرلو اور حجت میں نہ پڑو، ان احکام کو بجالاؤ، لیکن اولاً اصول کو مقدم رکھو: ؎

عقل فرماں کشیدنی باشد
عشق ایماں چشیدنی باشد
عاشقاں سوئے حضرتش سرمست
عقل در آستین و جاں در دست

ترجمہ: عقل کا کام، حکم کی تاویل (کھینچ تان) کرنا ہے۔ عشق ایمان کی حلاوت (مٹھاس) چکھنا ہے۔ عاشق محبوب کی بارگاہ میں بےخودی ومستی کی حالت میں جاتے ہیں، ان کی عقل آستین میں اور جان ہتھیلی پر ہوتی ہے۔

(اللہ تعالیٰ کے حکم سے) جی چرانے والے چند لوگوں نے طاعت وعبادت کو چھوڑ دیا ہے اور اہل حال بزرگوں کے اس قول کو پکڑ لیا ہے کہ مستی حال کی کیفیت میں زہد وعبادت بے سود ہے، کام تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہی سے بنتا ہے۔ اس طرح انھوں نے حرام کو حلال کرلیا ہے۔ یہ زندیقوں اور ملحدوں کا طریقہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ زہد وعبادت بے کار ہیں، بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ افعال یعنی (طاعت وعبادت) پر غرور نہ کرو۔

امام شبلی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا ہے:

لَیْسَ الزُّھْدُ فِی الدُّنْیَا الْحَقِیْقَۃ۔

یعنی زہد حقیقی دنیا میں نہیں ہے۔

اس قول میں زہد (دنیا سے بے رغبتی اور تقویٰ) کا انکار نہیں، بلکہ اس سے مراد زہد پر غرور نہ کرنا ہے۔

حضرت قدوۃ الکبریٰ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ اس پر (یعنی اللہ تعالیٰ کی عنایت پر) سب کا عقیدہ ہے اور اس سے تجاوز کرنا ممکن نہیں ہے، اس کے باوجود متقدمین سے متأخرین تک تمام بزرگ مجاہدہ کرتے رہے ہیں اور رہیں گے: ؎

تا تخم مجاہدہ نکارد
کس بارِ مشاہدہ نکارد

ترجمہ: جب تک کوئی شخص مجاہدہ کا بیج نہ بوئے گا اُسے مشاہدہ کا پھل نہیں ملے گا۔

اس لیے سچے طالب اور پر عزم سالک پر لازم ہے کہ مجاہدات وریاضات کی ادائیگی میں ذرہ بھر کوتاہی نہ کرے اور نہ چوکے، کیونکہ کسی شخص پر مجاہدے کی کنجی کے بغیر مشاہدے کا دروازہ نہیں کھلا ہے اور نہ سلوک کی راہ طے کیے بغیر وصول کی نعمت میسر ہوئی ہے: ؎

بیا اے سالک جانباز دلگیر
بنہ پائے طلب در راہِ اعمال
کہ بے زادِ رہ و بے پائے راحل
نباید دید روئے کعبۂ حال

ترجمہ: اے جاں باز، دلگیر سالک آ! اور اعمال کی راہ میں پائے طلب رکھ۔ اچھی طرح جان لے کہ سامانِ سفر کے بغیر اور ننگے پاؤں چل کر کسی نے کعبۂ حال کی زیارت نہیں کی۔

سید الطائفہ (جنید بغدادی) قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ:

ان کے اصول، پانچ خصلتوں پر مبنی ہیں:

۱۔دن کو روزہ رکھنا ۲۔رات میں نماز قائم کرنا
۳۔اخلاصِ عمل ۴۔تمام تر رعایت کے ساتھ عمل کرنا ۵۔ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرنا

سہل تستری نے فرمایا ہے کہ: ہمارے اصول چھ ہیں:

۱۔اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا
۲۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا
۳۔کسی کو تکلیف اور اذیت دینے سے نفس کو روکنا
۴۔گناہوں سے اجتناب اور پرہیز کرنا
۵۔توبہ کرنا ۶۔حقوق ادا کرنا

حضرت قدوۃ الکبریٰ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ:

جو ریاضتیں، مشائخ وعارفین سے متعلق بیان کی گئی ہیں اُنھیں خود پر لازم کرنا مناسب نہیں، کیونکہ ریاضت کی وہ مقدار جو بزرگوں نے اپنے لیے مقرر کی تھی، اگر اس مقدار سے طالب کی ریاضت سوئی کی نوک برابر بھی بڑھ جائے تو ایسی ریاضت سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ راہِ حق میں ایسی ریاضت؛ طالب کے جسم کو تھکا دیتی ہے اور وہ گنہ گار ہوتا ہے، بلکہ نفس اگر دائیں بائیں مائل ہو تو شریعت کے مطابق؛ مجاہدے کا کوڑا لگا کر اُسے راہِ راست پر لائے اور بدعت سے پرہیز کرے۔

جزوی یا کلی طور پر خلاف معمول کھانا پینا ترک کرنے یا اس طرح کی اور باتیں نہ کرے۔

روایت میں آیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک نیک خاتون نے جاگنے کی خاطر اپنے گلے میں رسی باندھ کر لٹکا دی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو منع فرمایا۔

حضرت قدوۃ الکبریٰ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ:

کوئی شخص از راہِ ہوس پہلے چند ریاضتیں اختیار کرے اور پھر چھوڑ دے تو یہ اچھی بات نہیں، بلکہ جو ریاضت یا وظیفہ وہ خود پر لازم کرے ان پر ہمیشہ قائم رہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ: رات اور دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ بزرگوں نے ان گھنٹوں کو اس طور پر تقسیم کیا کہ کچھ گھنٹے عبادت میں مشغول رہنے کے اور کچھ گھنٹے سونے کے۔ ان چوبیس گھنٹوں میں آٹھ گھنٹے سونے کے لیے ہیں اور ان آٹھ گھنٹوں کو بھی تقسیم کر دیا کہ دو گھنٹے دن میں سونے کے لیے اور چھ گھنٹے رات میں سونے کے لیے...

دن میں سونے کا وقت چاشت کے بعد اور زوال سے پہلے تک مقرر ہے اور اس بات کا خیال رکھا جاتا کہ ہر صورت میں زوال سے پہلے اٹھ جائیں تاکہ ظہر سے پہلے نماز کی تیاری کر کے نمازِ ظہر ادا کرنے کے لیے بیٹھ جائیں، کیونکہ عارفین اور مشائخ (نماز کے لیے) وقت سے پہلے تیار ہوجاتے ہیں، اگر زوال کے بعد سونے سے بیدار ہوں گے تو پھر اتنا وقت برباد ہوگا۔

مشائخ نے صبح کی بھی دو قسمیں کی ہیں:

۱۔صبح کا وہ وقت؛ جب سونے سے بیدار ہوتے ہیں۔

۲۔وہ وقت جب دن میں (زوال سے پہلے) نیند سے بیدار ہوتے ہیں اور نمازِ ظہر کی تیاری کرتے ہیں اور ظہر ادا کرنے کے بعد وظائف پڑھتے ہیں۔

حضرت قدوۃ الکبریٰ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ: مشائخ نے مجاہدے کو تربیت کے لیے مقرر کیا ہے۔ سچے طالب اور بھروسے مند سالک کی تربیت ان کی طاقت کے مطابق کرتے ہیں، یعنی اگر طالب مجرد (غیر شادی شدہ) ہے تو اسے مجردانہ مجاہدے کا حکم دیتے ہیں اور اگر طالب صاحب اہل وعیال ہے تو اس سے اس کی حالت کے مطابق مجاہدہ کراتے ہیں۔ اگر ایک چلّے کا قابل ہے تو ایک چلّہ کراتے ہیں، ایک سے کام نہ بنا تو دوسرے چلّے کا حکم دیتے ہیں۔

(لطیفہ: ۴۴، ج: ۳، اوکھائی پریس، پاکستان، ۲۰۰۲ عیسوی)

✲✲✲

شیخ ابوالفضل قدس سرہٗ کی عظمت

حضرت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی قدس اللہ سرہٗ العزیز پانچویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ اور نظریۂ وحدۃ الوجود کے مبلغین میں ایک اہم ہستی ہیں۔ان کی پیدائش 'خراسان' کے 'میہنہ ' گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی''**اسرارالتوحید فی مقامات ابی سعید**' موسوم بہ '**مقامات خواجہ**' ان کی شخصیت اور ارشادات پر مشتمل ہے جسے آپ کے پوتے شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ نے ترتیب دی ہے۔یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔اس کا ترجمہ **مولانا رکن الدین سعیدی** استاذ جامعہ عارفیہ نے کیا ہے، جسے عام افادیت کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ہمارے شیخ نے بار ہا فرمایا کہ: شیخ لقمان اللہ تعالیٰ کا آزاد کردہ غلام ہے، اللہ تعالی نے ان کو امر و نہی سے آزاد فرما دیا ہے۔شیخ نے بتایا کہ: جب ہم شیخ لقمان کے پاس پہنچے تو وہ اپنی قمیص میں پیوند لگا رہے تھے، ہم ان کو دیکھنے لگے، اس وقت شیخ ابوسعید اس طرح کھڑے تھے کہ ان کے جسم کا سایہ شیخ لقمان کی قمیص پر پڑ رہا تھا۔شیخ لقمان جب وہ پیوند قمیص میں لگا چکے، تب فرمایا:

اے ابوسعید! ہم نے اس پیوند کے ساتھ تجھے بھی قمیص میں سل دیا ہے۔ یہ فرماتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے، ہمارا ہاتھ پکڑا اور ہمیں ''شارستان'' میں اس جگہ لے گئے جہاں پیر ابوالفضل حسن کی خانقاہ تھی۔خانقاہ کے دروازہ پر پہنچ کر آواز دی، پیر ابوالفضل استقبال کے لیے تشریف لائے۔

شیخ لقمان ابھی بھی ہمارا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ ہمارا ہاتھ پیر ابوالفضل حسن کے ہاتھ میں تھما دیا اور فرمایا کہ:

ابوالفضل! آپ اس کی حفاظت کیجیے یہ آپ ہی کی شان کا ہے۔

پیر ابوالفضل حسن ایک بزرگ انسان تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگتا ہے کہ پیر ابوالفضل جب بقید حیات نہ رہے اور ہمارے شیخ ابوسعید اس راہ کے کاملین میں شمار ہونے لگے، تب لوگوں نے دریافت کیا کہ:

اے شیخ! آپ پر یہ عظیم کیفیت کب سے طاری ہوئی؟

جواب دیا کہ: پیر ابوالفضل حسن کی ایک نگاہ سے یہ حال رونما ہوا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم جب طالب علم تھے ''سرخس'' میں ابوعلی فقیہ کے یہاں ہماری تعلیم جاری تھی کہ ایک دن میں نہر کی ایک جانب سے جا رہا تھا اور پیر ابوالفضل نہر کی دوسری جانب سے آ رہے تھے، انھوں نے ہم کو جھکی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر اس دن سے آج تک ہمارے پاس جو کچھ فضل و خیر ہے، اسی ایک نگاہ کے صدقے میں ہے۔

شیخ ابوسعید نے فرمایا: پیر ابوالفضل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے خانقاہ میں لے گئے۔ جب میں چبوترہ پر بیٹھ گیا تو پیر ابوالفضل نے ایک کتاب اٹھائی اور اسے دیکھنے لگے، جیسا کہ

دانشمندوں کی عادت ہوتی ہے، میرے بھی دل میں خیال گزرا کہ یہ کتاب کیا معلوم کس فن سے متعلق ہے؟

پیر ابوالفضل اس خیال سے واقف ہو گئے، فرمایا:

ابو سعید! ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و مرسلین مخلوق میں مبعوث فرمائے گئے، ان سب کی تقریر کا مقصد ایک ہی تھا، سبھوں نے یکساں تعلیم دی اور یہ کہا کہ: اے لوگو! اللہ کہو یعنی اللہ کے قائل ہو جاؤ اور اسی کے ہو کر رہو اور اسی اعتقاد پر قائم رہو۔ جو لوگ ہوش کے کان رکھتے تھے، ان لوگوں نے اپنی زبانوں سے یہ کلمہ ادا کیا، پھر وہ اسی کلمہ کے ہو کر رہے۔ جب وہ پوری طرح اس بات پر جم گئے تو خود بخود اُن کو اس کلمہ میں استغراق نصیب ہو گیا، تب وہ غیر اللہ کی آلائشوں سے پاک ہو گئے، کلمہ ان کے دلوں میں رچ بس گیا اور وہ زبان سے کلمہ کا ورد کرنے کے محتاج نہ رہے۔

شیخ ابو سعید نے فرمایا کہ: پیر ابوالفضل حسن کی اس بات نے مجھے اپنا شکار بنا لیا اور اس نے مجھے اس رات سونے نہ دیا، حتی کہ استغراقی کیفیت کے ساتھ جب میں نماز اور ذکر و اذکار سے فارغ ہو گیا تو سورج نکلنے سے پہلے پیر ابوالفضل صاحب سے اجازت لے کر میں ابو علی فقیہ کے پاس تفسیر قرآن کا درس لینے آیا، جب میں بیٹھا تو اس دن پہلا سبق اس آیت شریفہ کا بیان تھا:

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ۔ (انعام:۹۱)

ترجمہ: اللہ کہو پھر انھیں (غافلین اور منکرین کو) ان کے بے ہودہ کاموں اور لہو و لعب میں مشغول چھوڑ دو۔

شیخ نے فرمایا: اس وقت اس کو سنتے ہی ہمارے سینے میں ایک وسیع دروازہ کھول دیا گیا اور ہم کو ہمارے وجود سے محو کر دیا گیا۔ امام ابو علی فقیہ نے ہمارے وجود میں اس انقلابی تبدیلی کو دیکھ لیا، پوچھا: رات کہاں تھے؟

میں نے جواب دیا: پیر ابوالفضل حسن کے آستانے پر، فرمایا: اٹھو اور پھر اسی جگہ واپس جاؤ، اس لیے کہ اس معنی کو چھوڑ کر میری اس بات کی طرف آنا تمہارے لیے حرام ہے۔

ہم پیر ابوالفضل کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ تمام حالت اسی ایک کلمہ کی بدولت رونما ہوئی تھی۔ جب پیر ابوالفضل نے ہمیں دیکھا، پوچھا: اے ابو سعید! کیا تم مست ہو گئے ہو کہ اردگرد کی تمھیں خبر نہیں رہی؟

ہم نے کہا: شیخ! آپ کیا فرماتے ہیں؟

یہ سن کر انھوں نے کہا: ادھر آؤ اور بیٹھ جاؤ اور اسی کلمہ کے ہو کر رہو، اس لیے کہ اس کلمہ کے بہت سے مقاصد تم سے جڑے ہوئے ہیں۔

شیخ ابو سعید نے فرمایا کہ: ہم ایک مدت تک اس کلمہ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے پیر ابوالفضل حسن کی بارگاہ میں حق حق کا ورد کرتے رہے۔

ایک روز پیر ابوالفضل نے فرمایا: اے ابو سعید! اس کلمہ کے حروف کے دروازے تجھ پر کھولے گئے ہیں اور اب تیرے سینے میں بہت سے لشکر دوڑائے جائیں گے تو تو طرح طرح کی وادیوں کا مشاہدہ کرے گا، اس کے بعد فرمایا:

تمھیں قبول فرما لیا گیا ہے، اٹھو اور خلوت گزیں ہو جاؤ، اپنی ذات اور مخلوق دونوں سے اپنا رخ موڑ لو اور مشاہدات و تسلیم میں مشغول ہو جاؤ۔

٭٭٭

سچوں کی صحبت اختیار کرو

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاو۔

(قرآن کریم)

ذیشان احمد مصباحی

حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ

حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مرادآبادی ثم مبارک پوری اور ان کے خوابوں کی تعبیر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے ایسی جذباتی وابستگی ہے جسے میں محسوس تو کرسکتا ہوں مگر لفظوں کا پیرہن نہیں دے سکتا۔ یہ وابستگی صرف اس احسان شناسی کا نتیجہ نہیں جو چھ سال تک الجامعۃ الاشرفیہ کے خوان علم وفضل کی خوشہ چینی کے بدلے غیر شعوری طور پر اندرون میں سرایت کرگئی ہے بلکہ ایک ناقابل انکار اعتراف پر مبنی ہے۔ سچ پوچھیے تو الجامعۃ الاشرفیہ نے مجھے دوسرا وجود بخشا اور فکر و بصیرت کی آنکھیں کھولیں۔ واقعہ یہ ہے کہ برصغیر میں اسلام اور سنیت کی تاریخ اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ شخصیات کی فہرست میں مولانا عبدالعزیز مرادآبادی اور تحریکات کی فہرست میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے نام شامل نہ کردیے جائیں۔

حافظ ملت کسی شخص کا نام نہیں ایک مشن کا نام ہے اور اسی طرح الجامعۃ الاشرفیہ کسی تعلیم گاہ کا نام نہیں ایک تحریک اور ایک تاریخ کا نام ہے۔ حافظ ملت کی شخصیت اور الجامعۃ الاشرفیہ کی خدمات کا مطالعہ جب تک اس حیثیت سے نہیں ہوگا تب تک ان کے حقیقی خدوخال سامنے نہیں آئیں گے اور نہ ہی تاریخ کے ساتھ صحیح معنوں میں انصاف ہو پائے گا۔

حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مبارک پوری سلطان الہند خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کی سرزمین اجمیر پر اپنے عہد کے عظیم ترین فقیہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نامور خلیفہ صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی کے زیر سایہ تعلیم پاتے ہیں، پھر بریلی کے علمی اسٹیج سے ان کی دستار بندی ہوتی ہے۔ بریلی اور اجمیر کا روحانی اور تعلیمی سنگم حضرت مولانا کی شخصیت کو ایسا دوآتشہ کردیتا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ حضرت مولانا کی شخصیت میں علم و عمل میں کس کا پلہ بھاری ہے۔ اس پر طرفہ مجدد خانوادۂ اشرفیہ اعلیٰ حضرت سید علی حسین اشرفی میاں جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شرف بیعت وخلافت اور صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت پاکر ان کی شخصیت چشتیت وقادریت اور اشرفیت ورضویت کا مجمع البحرین بن جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ملت کی شخصیت اس زمانے کے عام علما سے بہت مختلف نظر آتی ہے۔ عام طور پر فارغین مدارس منبر ومحراب کی زینت بن رہے تھے۔ جو اُن سے قابل تھے وہ کرسی خطابت کو رونق بخش رہے تھے اور جو اُن سے قابل تھے وہ لوح وقلم کے ذریعے علم وفن کی آب یاری میں مصروف تھے۔ حضرت حافظ ملت کی افتاد طبع ان سب سے مختلف تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ علم دین ہم نے دین کے لیے حاصل کیا ہے، رہی دنیا تو اُسے اپنے مطب اور دیگر جائز پیشوں سے حاصل کرلوں گا۔ وہ علم دین کے ذریعے دنیا کمانے کو حرف غلط سمجھتے تھے۔ تاریخ اشرفیہ سے واقف حضرات اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اہل مبارک پور کی خواہش پر حضرت محدث اعظم ہند نے جب صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی سے کسی عالم کا مطالبہ کیا تو ان کی نظر حضرت حافظ ملت کی طرف اٹھی۔ حافظ ملت نے معذرت کی کہ حضور! میں نے دنیا کمانے کے لیے تو علم نہیں سیکھا ہے؟ استاذ نے جواب دیا: میں آپ کو دنیا کمانے کے لیے تو نہیں بھیج رہا، میں تو دین کی خدمت کے لیے بھیج رہا ہوں۔

الفاظ مختلف ہوسکتے ہیں لیکن بات یہی تھی۔ صاحب بصیرت استاذ کی ایمان افروز نصیحت سعادت مند شاگرد کے لیے حرزِ جاں بنی۔ اسی ارادے اور ولولے کے ساتھ مبارک پور کا رخ کیا اور وہ بھی اس شان سے کہ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اگر ہتھیار تیار کیے تو حافظ ملت مبارک پوری نے ان ہتھیاروں کا استعمال کرنے والی ایک فوج تیار کر دی۔ حافظ ملت کا یہ ارشاد کہ: ''زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام'' ان کے اسی مشن اور جذبات کا غماز ہے جس کے لیے وہ آخری دم تک کوشاں رہے۔ حافظ ملت الفاظ کے اسیر نہیں، معانی کے غواص تھے۔ وہ ایک استاذ اور معلم نہیں، ایک مربی اور مرشد تھے۔ انھیں جسموں کی نشوونما سے زیادہ ذہنوں کی تنویر اور روحوں کا تزکیہ عزیز تھا۔ ان کا مشرب محبت تھا۔ وہ دشمن کو بھی ٹوٹ کر چاہتے تھے۔ ان کا یہ فرمان آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ: ''ہر مخالفت کا جواب عمل ہے''۔ ان کا یہی مزاج انھیں معاصرین میں ممتاز کرتا ہے اور تمام تر بے سروسامانی کے عالم میں وہ کام کر جاتے ہیں جس کا بڑے بڑے صاحبان جبہ و دستار اور مدعیان دعوت وارشاد خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔

حافظ ملت کے اسی مزاج نے ان کے فرزندوں میں علمی و عملی روح پھونک دی۔ آج برصغیر ہندو پاک ہی میں نہیں، افریقہ اور یورپ و امریکہ کے براعظموں میں بھی لفظ 'مصباحی' علم و عمل کا استعارہ بن گیا ہے۔ اشرفیہ کے وابستگان اس بات پر فخر کرتے ہیں اور بجا کرتے ہیں کہ آج اہل سنت کی تمام درس گاہیں الجامعۃ الاشرفیہ سے براہ راست یا بالواسطہ مستفیض ہو رہی ہیں۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ کا یہ عروج و مقبولیت تفاخر سے زیادہ احتساب کی دعوت دے رہا ہے۔ قابل غور ہے کہ حافظ ملت نے جس الجامعۃ الاشرفیہ کا خواب سجایا تھا کیا اس خواب کی تعبیر مکمل ہو چکی ہے؟ حضرت کی خواہش تھی کہ ان کے فارغین اردو، عربی، انگلش اور سنسکرت زبانوں میں داعی اور مبلغ بنیں، یہ آرزو اب تک کتنے فیصد حقیقت بن سکی ہے، اس پر سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔ ایک بات اور قابل توجہ ہے کہ حضرت نے داعی اور مبلغ پیدا کرنے کا خواب سجایا تھا، خطیب و مقرر کا نہیں۔ داعی و مبلغ اور خطیب و مقرر کے درمیان جو لطیف مگر نمایاں فرق ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔

حضرت حافظ ملت کے سوانح نگار بتاتے ہیں کہ حضرت چرند و پرند، چوپایوں بلکہ چیونٹیوں تک سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ یہ خالص صوفیانہ مشرب ہے۔ حضرت کا یہی مشرب تھا جس نے انھیں ان کے مخالفین کا بھی ممدوح بنا رکھا تھا۔ اسی وصف کا نتیجہ تھا کہ وابستگان کو یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ حضرت زیادہ کسے چاہتے ہیں۔ جو لوگ حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ کی بلندی و کامیابی پر تفاخر کرتے ہیں انھیں اس زاویے سے اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ وہ خود ذاتی طور پر حافظ ملت کے اخلاق و کردار سے کس حد تک مستفید ہیں۔

حافظ ملت جب مبارک پور آئے اس وقت مبارک پور مختلف مسالک کا گڑھ بنا ہوا تھا، اس لیے مناظرہ بازی اور جواب الجواب کا ماحول بنا فطری تھا۔ ہوتا یہ کہ ایک رات حریف خیمے سے حافظ ملت اور ان کے مسلک و منہاج پر سنگ باری ہوتی تو دوسری رات آپ تشریف لے جاتے اور حوصلۂ فاروقی اور شجاعت حیدری کے جوہر بکھیرتے۔ یہ سلسلہ کئی مہینوں تک قائم رہا۔ حافظ ملت نے محسوس کیا کہ مناظرہ بازی کسی مشن کی تعمیر نہیں کر سکتی۔ انھوں نے فوراً مناظرانہ خطابت کے عدم افادیت کا ادراک کر لیا اور زمینی کام کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بیسویں صدی میں حافظ ملت کی شخصیت اس لحاظ سے بھی قابل ذکر ہے کہ انھیں بہت پہلے مناظرانہ روش سے

ہٹ کر تعمیری اور مثبت کام کرنے کی افادیت کا ادراک ہوگیا اور وہ اس میں لگ گئے۔ اشرفیہ اور حافظ ملت سے تعلق جتانے والے افراد ہوش کے ناخن لیں کہ اگر اب بھی ان میں حافظ ملت کا یہ ادراک پیدا نہیں ہوا ہے تو صحیح معنوں میں حافظ ملت سے ان کی وابستگی مکمل نہیں ہوسکی ہے۔ حافظ ملت نے تصادم کی جگہ اعراض کے فلسفے کو اہمیت دی اور اسی فلسفے پر اپنے مشن کی تعمیر کی۔ آج بھی تمام مسلمانوں بطور خاص عزیزیوں، مصباحیوں کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اس روش پر قائم رہیں۔

شروع میں یہ بات آئی تھی کہ حافظ ملت کی شخصیت چشتیت وقادریت اور اشرفیت ورضویت کا مجمع البحرین تھی۔ تمام وابستگان اشرفیہ کو بالخصوص اور تمام مسلمانان اہل سنت کو بالعموم اس پہلو پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آج ہمارے یہاں ایک طرف شخصیت پرستی کا جن بوتل سے باہر آگیا ہے تو دوسری طرف اسلاف بیزاری کے بھوت نے بھی ذہن وفکر کو مختل وبے کار کردیا ہے۔ حافظ ملت کی شخصیت دراصل اسلاف کی اسی شاہراہ پر ہے جس کی خاصیت بیک وقت تصلب بھی ہے اور توسع بھی۔ اگر تصلب کا دامن چھوڑا تو الحاد وبے دینی مقدر ہوئی اور توسع سے منھ پھیرا تو تشدد، جارحیت اور خانہ جنگی نے پیر پھیلائے۔ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ حافظ ملت کے شیخ ارادت مجدد سلسلۂ اشرفیہ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں قدس سرہٗ اشرفی چشتی ہیں۔ ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ مغلوب السماع تھے، جس کی روایت اس سلسلے میں آج بھی قائم ہے تو دوسری طرف آپ کے شیخ خلافت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ قادری رضوی ہیں جو سماع بالمزامیر کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی دل چسپ ہے کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی خود مروجہ سماع بالمزامیر کو باستثنائے عارفین حق، بالعموم ناجائز سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ حضرت علی حسین اشرفی میاں قدس سرہٗ کا بے انتہا احترام بھی کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اعلی حضرت فاضل بریلوی، اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی کے بارے میں فرمایا کرتے: ''حضرت ان میں سے ہیں جن کا بیان میں بخوشی سنتا ہوں۔''

(جام نور، محدث اعظم نمبر، ص: ۱۴، بحوالہ مخدوم الاولیاء، ص: ۱۴۴)

حضرت اشرفی میاں کی عقیدت ومحبت میں ڈوبا ہوا فاضل بریلوی کا یہ شعر بھی ان کی وسیع مشربی اور بلند اخلاقی کا منھ بولتا ثبوت ہے: ؎

اشرفی اے رخت آئینۂ حسن خوباں
اے نظر کردہ و پروردۂ سہ محبوباں

یہ بات بھی لوگوں کے علم میں ہے کہ حضرت اشرفی میاں کے صاحب زادے سید شاہ احمد اشرف کچھوچھوی اور ان کے نواسے محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی جیلانی بارگاہ رضا کے خوشہ چیں اور فیض یافتہ ہیں اور اس کے ساتھ ان پر بھی چشتیت اور اشرفیت کا وہ رنگ کہ سماع بالمزامیر کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، محفل سماع منعقد کرتے تھے اور بصد ادب واحترام سنتے تھے۔ یہ تمام باتیں تاریخی حقائق ہیں جن کی شہادت کتابوں سے بھی لی جاسکتی ہے اور کچھوچھہ مقدسہ کی موجودہ شخصیات اور وہاں رائج محفل سماع سے بھی۔ خاص بات یہ ہے کہ اس ایک مسئلے میں اختلاف ہوتے ہوئے یہ تمام علماو مشائخ باہم شیر وشکر بن کر رہے، بدگوئی اور بدخلقی تو دور کی بات، ان میں کبھی سوئے ظنی اور شکر رنجی بھی پیدا نہ ہوئی۔ پیدا ہو بھی کیسے سکتی تھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی جن کے بارے میں دنیا جہان میں یہ مشہور ہے کہ وہ سماع بالمزامیر کو ناجائز و حرام سمجھتے تھے، وہ خود مزامیر کی مطلقاً حرمت کے قائل نہیں تھے، بلکہ مزامیر کی حرمت کو لہو ولعب کی قید کے ساتھ مشروط

سمجھتے تھے۔ان کا ارشاد ہے: ''مزامیر یعنی آلات لہوولعب بروجہ لہوولعب بلاشبہ حرام ہے''۔(فتاویٰ رضویہ، ج: ۲۴، ص: ۷۸)
ساتھ ہی فاضل بریلوی نے علامہ شامی کی وہ عبارت بھی نقل کی ہے جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ: ''مزامیر کی حرمت مطلقاً نہیں لہوولعب کی قید سے مشروط ہے۔''

اور یہ کہ: ''معترض کو سادات صوفیہ کے سماع پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ اس میں ان کی برکات سے محرومی کا خدشہ ہے''۔

ظاہر ہے کہ حافظ ملت کا تعلق بھی اسی دبستان علم وعرفان سے تھا، اس لیے وہ خود بھی اس توسع اور وسعت ظرفی کے پیکر تھے۔ افسوس کہ یہ توسع موجودہ علماومشائخ سے رخصت ہوتا جارہا ہے۔اپنی رائے پر اصرار کرنے کی روایت اور اپنے فہم کو نص کا درجہ دینے کی عادت عام سی ہوگئی ہے۔ہم اپنے اسلاف کے طریق سے بھٹک سے گئے ہیں۔ اب تو ہماری محفلوں میں اسلاف کی کتاب زندگی کا وہ ورق پلٹا ہی نہیں جاتا جس سے ان کے توسع، اعلیٰ ظرفی اور وسیع مشربی کے راز کھلتے۔

حافظ ملت کے بارے میں یہ بات بجا طور پر کہی جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے انتساب رکھنے والوں میں وہ بطور خاص تعمیری جہت سے نہایت منفرد وممتاز نظر آتے ہیں۔ خطابت ومناظرہ کے شور اور لوح وقلم کی شدید معرکہ آرائی کے دوران جو شخص عربی یونیورسٹی کا خواب دیکھ رہا ہو اسے منفرد وممتاز نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ یونیورسٹی آج بھی مجوزہ ہی ہے۔اس کے فرزندوں نے تعلیم وتدریس، لوح وقلم اور تقریر وخطابت کے حوالے سے جو نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں ان پر خراج تحسین پیش نہ کرنا بخل وناانصافی ہے، مگر اس تلخ حقیقت کا کھلے دل ودماغ سے اعتراف بھی تو ضروری ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ آج بھی پورے طور پر عربی یونیورسٹی کی شکل میں سامنے نہیں آسکا۔ جہاں تک میرے حسن ظن کا تعلق ہے تو ذمہ داران نے اس حوالے سے اپنی سی کوشش ضرور کی ہوگی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابھی مزید تیز گامی اور عقاب نگاہی کی ضرورت ہے۔ہم وابستگان اشرفیہ عموماً بریلی سے بستی اور گھوسی تک کے چھوٹے چھوٹے اداروں کا تقابل اشرفیہ سے کرتے ہیں اور خوش ہوجاتے ہیں جب کہ ہماری نگاہیں لکھنؤ، دیوبند، سہارن پور، کیرالا اور مصر کی درسگاہوں کی طرف نہیں اٹھتیں۔ حافظ ملت کی سیمابی شخصیت ہمارے اس پست فکر وشعور سے درجوں بلند تھی۔

حافظ ملت کی شخصیت کے حوالے سے یہ بات بھی واجب التحریر ہے کہ انھیں تعلیم وتعلم کی حوالے سے جو شہرت ملی وہ اخلاق وروحانیت کے حوالے سے نہیں مل سکی، جب کہ وہ جس درجے کے معلم ومعمار تھے کہیں اس سے بڑے مربی ومحسن اور روحانی واخلاقی رہنما تھے۔وہ صرف فقیہ شہر نہیں تھے، وہ عابد شب زندہ دار بھی تھے۔دوسرے مشرب، مسلک اور مذہب کے لوگوں کے ساتھ جو اُن کا سلوک اور برتاؤ تھا وہ آج کتابوں کی زینت بن کر رہ گیا ہے۔وہ علم برائے دین اور علم برائے عمل کے قائل تھے۔ ہر سال ہم حافظ ملت کی تاریخ وفات کے موقع سے ان کی یاد مناتے ہیں۔ ان کی یہ یاد ہمارے لیے تجدید وفا کے حوالے سے ہونی چاہیے اور ہمیں یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم؛ علم، عمل اور اخلاق کی تثلیث پر حافظ ملت کے مشن کو آگے بڑھائیں؛ کیوں کہ ان ارکان ثلاثہ میں سے اگر کوئی رکن چھوٹ گیا تو وہ مشن کسی اور کا تو سکتا ہے حافظ ملت کا نہیں ہوسکتا۔حافظ ملت کا دل مومن، جسم مسلم اور روح محسن تھی۔

٭٭٭

ہمارا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہو

یہ مضمون جامعہ عارفیہ کے طلبہ کی جانب سے منعقد سالانہ ثقافتی پروگرام ''جشن یوم غزالی'' میں ہوئی ایک یادگاری تقریر ہے۔اس کی ترتیب مولانا **رکن الدین سعیدی** نے دی ہے جسے عوام کی افادیت کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَفِرُّوا إِلَى اللهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ۔

(ذاریات:۵۰)

یعنی دوڑو اپنے رب کی طرف اور تیزی سے اس راستے کو طے کرو جو تمھیں رب کی بارگاہ تک لے جاتا ہو، اگر تم نے کسی بھی طرح سے کوئی کوتاہی کی اور اس کے قائم کردہ حدود اور دائرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میں واضح طور پر اس سے ڈرانے والا ہوں۔

اس آیت کا جو سب سے پہلا حصہ ہے اس میں اللہ وحدہٗ لاشریک نے بندوں کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی تعلیمات اپنانے، مقرب بندہ بننے اور اپنی بارگاہ میں تیزی کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔

ہم اللہ رب العزت کے مقرب کیسے ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں ہمارا شمار کیسے ہوگا؟ تو اس نسخہ اور راستے کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر امت کے سامنے واضح فرما دیا اور جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنے والی نسل تک منتقل فرمایا، نیز یہ سلسلہ تابعین، تبع تابعین سے ہوتا ہوا، علما و مشائخ کے توسط سے ابھی تک جاری ہے۔

کوئی بھی راستہ ہو، کہیں بھی لے جانے والی کوئی راہ ہو، اس کے شروع ہونے کی کوئی نہ کوئی جگہ ہوتی ہے اور ختم ہونے کی بھی، یعنی ہر راستے کا کوئی مبدا ہوتا ہے جہاں سے اس کی شروعات ہوتی ہے اور کوئی منتہی جہاں پر جا کر وہ ختم ہو جاتا ہے۔

ماہرین امت کا ماننا ہے، ارباب علم و دانش کا فیصلہ ہے اور بصیرت و بصارت کے حاملین اشخاص کا کہنا ہے کہ: انسان جب تک اپنے ابتدائی مرحلے کو صحیح نہیں کر لیتا اپنی انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس فلسفے کو شیخ سعدی کی زبانی ملاحظہ کریں: ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

یعنی اگر معمار پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھے تو آسمان اور ثریا تک وہ دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی۔

گفتگو آگے بڑھانے سے پہلے آپ یہ جان لیں کہ کسی بھی چیز کی انتہا یہ ہے کہ وہ پھر اپنی ابتدائی حالت پہ آ جائے، اسی لیے مشائخ طریقت نے بھی اس بات کو مانا ہے کہ سالک کے سلوک کی انتہا اس کی ابتدا ہوا کرتی ہے۔ مشائخ طریقت نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ:

اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرُّجُوْعُ إِلَى الْبِدَايَةِ۔

یعنی انتہا کو پہنچنا ابتدا کی جانب پلٹنا ہے، ابتدا کی جانب لوٹنا ہے اور ابتدا کی حالت میں آ جانا ہے۔

کسی بھی راستے کی انتہا اس کی ابتدا کی جانب لوٹ جانا ہے جو ایک اٹل فیصلہ ہے۔ کوئی یہ کہہ کر اپنا دامن نہیں بچا سکتا ہے کہ یہ صرف عارفین اور صوفیوں ہی کا ماننا ہے، جہاں حال کا معاملہ ہوتا ہے اور حال کا ماحول ہوتا ہے۔ آپ یہ خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دیجیے، بلکہ یہ دنیاوی مفکرین کا ماننا ہے، اہل علم کا ماننا ہے، فلسفیوں کا ماننا ہے اور بڑے سے بڑے دانشواران علم و فن اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی بھی چیز کی

حقیقت اگر جاننی ہوتو اس کی ضد (Opposite) کو جانے بغیر اُس چیز کی مکمل حقیقت واضح ہو ہی نہیں ہوسکتی۔ 'مناظرہ رشیدیہ' میں ہے: حَقَائِقُ الْاَشْیَاءِ تَتَبَیَّنُ بِاَضْدَادِھَا۔

یعنی اشیا کی حقیقتیں اپنی ضد (Opposite) سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

ضد بضد پیدا بود چوں روم و زنج

یعنی ایک ضد (Opposite) کو جاننے کے لیے، دوسری ضد (Opposite) کا سہارا لینا ہوگا، جیسے: حبشی کو رومی کے ذریعے اور رومی کو حبشی کے ذریعے جانا جاتا ہے، نیز مانا کہ دن کی سفیدی، دن کی سفیدی دیکھنے سے بھی واضح ہوتی ہے، مگر جب رات کی تاریکی اس کا تعارف کراتی ہے تو وہ سفیدی اور واضح ہو جاتی ہے، اسی طرح رات کی سیاہی اپنی ذات میں دوسروں کو پہچان کرانے کے لیے کافی ہے، مگر جب دن کی سفیدی رات کی سیاہی کا مُعَرِّف (پہچان کرانے والی) بن جائے تو رات کی سیاہی مزید واضح ہوجاتی ہے۔

ابتدا انتہا کیسے ہے اور انتہا ابتدا کیسے ہے، اس کو دوسری طرح یوں سمجھیں کہ: آپ کھیتی کرتے ہیں، کاشت کاری کرتے ہیں، زمین میں اناج بوتے ہیں۔ اب ذرا سوچئے کہ ایک کاشت کار کسانی کرتا ہے تو کیا کرتا ہے۔ یہی کہ وہ اپنے کاندھے پر ہل رکھے بیل کو ہانکتا ہوا اپنی کھیت کی جانب جاتا ہے۔ کھیت میں اپنے ہل بیل کو سیٹ کرکے زمین کے سینے کو چاک کرنا شروع کرتا ہے، پھر جب وہ زمین کے سینے کو چاک کر دیتا ہے تو اس کے اندر گیہوں کا دانہ ڈالتا ہے اور مٹی سے اس دانے کو بند بھی کر دیتا ہے۔

پہلے مرحلے میں کسان یہ کرتا ہے کہ زمین کا سینہ چاک کیا، گیہوں کا دانہ زمین کے سینے کے اندر رکھا اور اس کے بعد مٹی سے اس گیہوں کے دانے کو زمین میں چھپا کر اپنے گھر واپس آ گیا اور ہفتے دو ہفتے کے بعد جب وہ اپنے کھیت کو دیکھتا ہے تو دیکھتا کیا ہے کہ جس زمین کی چھاتی کو چیر کر اس نے گیہوں کا دانہ رکھا تھا، آج وہ گیہوں کا دانہ پوشیدہ نہیں ہے، بلکہ وہ ظاہر ہو کر لوگوں کو دعوت نظارہ دے رہا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں یہ بتادوں کہ گیہوں کا دانہ زمین سے اوپر تب ہی نکلتا ہے، جب مٹی کے اندر اپنے آپ کو سڑا (فنا کر) دیتا ہے۔ اگر گیہوں کا دانہ اپنے آپ کو بچائے رکھے، زمین کے اندرونی اثرات کو قبول کرنے سے اپنے آپ کو دور رکھے تو وہ اوپر نکلنے کے قابل کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ اب جب کہ اس دانہ نے زمین کے اثرات کو قبول کرلیا اور خود کو سڑا لیا، بلکہ خود کو مٹا دیا تب اللہ نے اسے اس کی نفسانیت سے اوپر اٹھایا جسے دیکھ کر دنیا حیرت زدہ ہے، بقول ڈاکٹر اقبال: ؎

مٹادو اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہو
کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

چنانچہ جب ہم بھی اپنی نفسانی خواہشات کو مٹائیں گے، اپنی نفسانی لوازمات سے منھ پھیر لیں گے اور اپنی بشری گندگیوں سے دور ہو جائیں گے تو اللہ ہمیں بھی گمراہی کی گھاٹی سے نکال کر اپنے قرب خاص میں اعلیٰ مقام پر فائز کر دے گا۔

اس کے بعد گیہوں کا دانہ زمین سے اوپر نکل کر کیا بہترین زندگی گزارتا ہے، کبھی آپ نے اس پر غور کیا ہے!؟ اگر گیہوں کے اس پودے کو پیاس لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پیاس سے پہلے ہی بادل کی چھاؤں میں آسمان سے بارش کا قطرہ اتارتا ہے اور اس کی پیاس بجھاتا ہے، اگر اسے غذا کی ضرورت ہوتی ہے تو خود جس زمین میں وہ دفن ہوتا ہے، اسی زمین کے اندر سے اسے طاقت بخش کیلسیم ملتی ہے اور اس طرح اللہ اسے غذا فراہم کرتا ہے۔ جب کبھی تاریکی دیکھتے دیکھتے وہ دانہ اوب

(گھبرا) جاتا ہے تو اللہ روشنی سے ملاقات کرنے کے لیے، پورب سے ایسا بلب نکالتا ہے جس کے صدقے میں پورا انسان، بلکہ پوری کائنات روشنی حاصل کرتی ہے اور یہ سب کچھ اسی صورت میں انجام پاتا ہے جب گیہوں کا دانہ اپنے بازو کی قوت پر بھروسہ نہیں کرتا، اپنے جسم کے اندر کی توانائی پر بھروسہ نہیں کرتا اور اپنی نازکی اور نرمی پر اعتماد نہیں کرتا ہے، بلکہ اللہ کے فیصلے پر بھروسہ کرتا ہے، چنانچہ اللہ اس کے کھانے کا انتظام فرماتا ہے، اس کے پینے کا انتظام فرماتا ہے اور اس کی ضرورتوں کا انتظام فرماتا ہے۔ اب اگر انسان ایسے ہی رب پر بھروسہ کرنے والا ہو جائے، قناعت کرنے والا ہو جائے اور صبر کرنے والا ہو جائے تو ہمیں ضرورتوں کا احساس ہی نہیں ہوگا اور وہ ہمیں ہر ضرورت کا سامان پہلے ہی عطا فرمادے گا۔

پھر کسان ایک ہفتے کے بعد جب کھیت پہنچتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ معمولی دانہ ایک پودے کی صورت میں نمودار ہو چکا ہے، پانی کی ضرورت پڑی تو پانی دے دیا، کھاد کی ضرورت پڑی تو کھاد، غرض کہ ساری اشیا اسے مہیا کرائی گئیں۔ پھر دو تین مہینے کے بعد وہ چھوٹا سا پودا ایک تناور پودے کی صورت میں دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ اب جب کسان اپنے کھیت کو دیکھتا ہے تو پھولے نہیں سمارہا ہے کہ جہاں اس نے ایک دانہ زمین میں ڈالا تھا، اس ایک دانے میں ستّر دانے نظر آرہے ہیں۔ آپ اس گیہوں کی ابتدا دیکھئے تو گیہوں کا دانہ نظر آرہا ہے اور اس کی انتہا دیکھئے وہی گیہوں کا دانہ نظر آرہا ہے۔ گویا کسان نے زمین کا سینہ چاک کر کے ابتدا میں جو دانہ ڈالا تھا وہ متعدد مراحل سے گزرنے کے بعد انتہا کو پہنچا اور جب مضبوط پودے کی صورت اختیار کر گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس میں وہی دانہ ظاہر ہوا جو ابتدا میں ڈالا گیا تھا گویا: اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرُّجُوْعُ إِلَى الْبَدَايَةِ۔

یعنی: انتہا یہ ہے کہ کوئی بھی چیز اپنی ابتدائی حالت کی جانب لوٹ جائے۔

اب علما یہ جان لیں کہ دعویٰ بھی ایک چیز اور دلیل بھی ایک چیز۔ مناظرے کی اصطلاح میں دعویٰ اس قضیہ کو کہتے ہیں جو اس حکم پر مشتمل ہو جس کا اثبات یا اظہار دلیل و تنبیہ سے مقصود ہو۔

دعویٰ اور دلیل: اب سوچئے کہ دعویٰ، ابتدا ہے، دلیل بیچ کے مراحل ہیں اور اس کے بعد جو نتیجہ حاصل ہوتا ہو وہ دعویٰ ہی ہوتا ہے یا کچھ اور؟ غور کریں۔ منطق کی کتابوں میں عالم کے حادث ہونے کی دلیل لوگوں کو سمجھانے کے لیے یوں دی جاتی ہے کہ اَلْعَالَمُ حَادِثٌ، عالم حادث ہے، یعنی دنیا نہ تو ہمیشہ سے ہے نہ ہمیشہ رہے گی۔

اَلْعَالَمُ حَادِثٌ یہ دعویٰ ہوا، اس دعویٰ کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ: اَلْعَالَمُ مُتَغَيِّرٌ وَكُلُّ مُتَغَيِّرٍ حَادِثٌ۔ آخر میں ان دونوں مقدمات کے ذریعے سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ ہے: فَالْعَالَمُ حَادِثٌ، یعنی دنیا ایک نہ ایک دن ختم ہو جانے والی ہے۔

اَلْعَالَمُ حَادِثٌ آپ کی ابتدا تھی اور وہی اَلْعَالَمُ حَادِثٌ آپ کی انتہا ہو جا رہی ہے۔ اَلْعَالَمُ حَادِثٌ سے آپ شروع کر رہے تھے اور ان چند مراحل سے گزر کر کے وہی اَلْعَالَمُ حادث تک پہنچ رہے ہیں، یعنی:

اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرُّجُوْعُ إِلَى الْبِدَايَةِ۔

یعنی کسی چیز کی انتہا یہ ہے کہ وہ اپنی ابتدا پہ پہنچ جائے۔ اس دلیل کے ضمن میں آپ ایک بات پہ اور غور کر لیجئے کہ پہلے دعویٰ ہے اور پھر اس کا یہ نتیجہ ہے، اس نتیجے کے بیچ دو مقدمات ہیں:

ان میں ایک کو فن منطق کی اصطلاح میں صغریٰ اور دوسرے کو کبریٰ کہتے ہیں۔ اَلْعَالَمُ حَادِثٌ یہ دعویٰ ہوا، اَلْعَالَمُ مُتَغَيِّرٌ صغریٰ ہے اور كُلُّ مُتَغَيِّرٍ حَادِثٌ یہ کبریٰ ہے اور فَالْعَالَمُ

حَادِثٌ یہ نتیجہ ہے۔صغریٰ ،کبریٰ میں الگ سے کوئی چیز نہیں ہوتی جو ابتدا اور انتہا ہے، وہی صغریٰ، کبریٰ کی حالت ہے، اس لیے کہ نتیجہ کے موضوع کو اصغر اور نتیجہ کے محمول کو اکبر کہتے ہیں، دوسرے لفظوں میں جس میں اصغر ہو، اس کو صغریٰ اور جس میں اکبر ہو، اس کو کبریٰ کہتے ہیں۔ یہی نتیجہ دعویٰ ہے، دعویٰ کے موضوع کو اصغر، دعوی کے محمول کو اکبر، وہی جو دعویٰ ہے وہی تو مقدمہ بنے گا،لیکن ایک بات میں آپ کو بتادوں کہ دعویٰ سے لے کر نتیجہ تک آپ اس وقت تک نہیں پہنچیں گے جب تک بیچ سے حد اوسط کو ساقط (حذف) نہ کردیں۔

ہماری ابتدائی حالت یہ تھی کہ ہم ماں کے پیٹ میں اللہ پر بھروسہ کرنے والے، اللہ پر توکل کرنے والے تھے اور کسی کو تکلیف دینے والے نہ تھے۔ہم ماں کے پیٹ میں کسی سے کبر، بغض اور جلن رکھنے والے نہ تھے، ہم ماں کے پیٹ میں ان برے اوصاف سے نکلے ہوئے تھے، وہ ہمارا دعوی تھا اور جب بالغ ہونے کے بعد ہمارے اندر نفسانی خواہشات آتے ہیں اور بشری تقاضے آتے ہیں، یہ حد اوسط ہیں، ہم ان کو گرادیں گے تو نتیجے تک پہنچ جائیں گے اور ہماری انتہائی حد حاصل ہوجائے گی۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ:

حضور! مشائخ طریقت نے فرمایا ہے کہ: انتہا یہ ہے کہ سالک اپنی ابتدا کی جانب لوٹ جائے اور نہایت یہ ہے کہ سالک اپنی بدایت کی جانب آجائے، اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ آپ ذرا سمجھادیں!

حضرت جنید بغدادی اور دیگر مشائخ طریقت نے دو طرح سے اس کی توضیح کی ہے:

ایک تو یہ ہے کہ ہر شئے کی ابتدا کہاں سے ہے؟ دنیا کی بہت ساری چیزیں ہیں، ان میں ہم بھی ہیں۔ ہماری زندگی اور ہمارے سفرِ زندگی کی شروعات کہاں سے ہو رہی ؟ غور کریں: کَانَ اللّٰہُ اللہ کی ذات تھی وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ۔ اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی۔حدیث قدسی میں ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔

یعنی میں ایک چھپا خزانہ تھا، چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔اس مخلوق کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے، ان سارے حوادث کا محدث کون ہے! تو اس سلسلے میں آتا ہے کہ: وَالْعَالَمُ بِجَمِيْعِ أَجْزَائِهٖ مُحْدَثٌ۔

یعنی دنیا اپنے تمام اجزا سمیت محدث ہے، نکالا گیا ہے اور اس کو وجود کی طرف نکال کر لانے والا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ ہے، ہم کو بھی لانے والا وہی ہے، آپ کو بھی لانے والا وہی ہے، دنیا کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے۔

چنانچہ اب ہماری انتہا یہ ہوگی کہ ہم اس لانے والے کی جانب لوٹ جائیں۔چلیں تو چلنے میں اس کی رضا سامنے ہو، بولیں تو بولنے میں اس کی رضا ہمارے سامنے ہو، جئیں تو اسی کے لیے اور مریں تو اسی کے لیے:

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے، نہ اپنی خوشی چلے

ہر موڑ پر، زندگی کی ہر ڈگر پر اسی کی جانب متوجہ رہیں، اس معنی کی تائید قرآن عظیم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِي إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ (فجر:۲۸)

رب نے فرمایا: ارجعی اسی کی طرف راجع رہو، اسی کی طرف لوٹ جاؤ۔

اور دوسرا معنی بڑا پیارا معنی ہے جسے صاحب رسالہ مکیہ نے بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے۔(جاری)

٭٭٭

اللہ کی ربوبیت کا مفہوم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (بقرہ:۲۱)

ترجمہ: اے لوگو! اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

رب کا لغوی و شرعی مفہوم:

رب عربی زبان کا لفظ ہے جو تین حروف را، بائے مشدد سے بنتا ہے۔ اس لفظ کی بنیاد میں ''نمو'' اور ''تربیت'' کا مفہوم شامل ہے، اور ''تربیت'' کے مفہوم میں لازمی طور پر مندرجہ ذیل چند معانی شامل ہیں:

۱۔ لوگوں کو جمع کرنا، تیار کرنا۔

۲۔ نگرانی کرنا، بھلا چاہنا، دیکھ بھال کرنا، کفالت کرنا۔

۳۔ حاکم و مطاع ہونا، مالک ہونا، بلند ہونا، تصرف کرنا، احکام کو نافذ کرنا۔

رب کا لفظ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ان سارے معانی میں ذکر کیا گیا ہے۔

مربی کے لیے ان اوصاف کے علاوہ کچھ اور صفتوں کا پایا جانا ضروری ہے اور وہ صفتیں یہ ہیں کہ مربی کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہو، وہ اپنے زیر تربیت لوگوں کے لیے لطف و کرم کا پیکر ہو، ان کے احوال سے باخبر ہو، ان کی طرف سے شکر قبول کرنے والا ہو، ان کی حفاظت کرنے والا ہو۔

اس تفصیل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کو رب ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ ہی وہ موجود بالذات ہے جو ساری کائنات کو جس وقت جس چیز کی جتنی مقدار میں ضرورت ہے، اس کو بغیر کسی کمی وبیشی کے عطا کرنے والا ہے۔ وہی بہتر طریقے پر پرورش کے لیے روحانی اور جسمانی روزی فراہم کرنے والا ہے۔ وہ غنی ہے، سب اس کے محتاج ہیں، وہ اپنے بندوں پر جیسے چاہے تصرف کرنے والا ہے، حکم نافذ کرنے والا ہے، اس کی مشیت (مرضی) میں کسی کا کوئی دخل نہیں، اس کے ارادے کو کوئی ٹالنے والا نہیں، اس کے فیصلے کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ تمام اچھے نام اسی کے ہیں، ہر کمال کی صفت اور ہر صفت کا کمال اس کی ذات میں ہے۔ بندے کے قلب میں جب مکمل صدق واخلاص کے ساتھ رب تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ عقیدہ گھر کر لیتا ہے تو وہ لازمی طور پر اس عظمت والی ذات کو اپنا اِلٰہ اور معبود مان لیتا ہے، اس کی عظمت کا اعتراف کر کے اس کے سامنے اپنے پورے ظاہر و باطن کے ساتھ جھک کر عبادت و بندگی بجالاتا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ اللہ کو اِلٰہ اور معبود ماننے کا عقیدہ دراصل اسی کو رب ماننے کا لازمی نتیجہ ہے۔

الٰہ کا لغوی و شرعی معنی:

یہ لفظ بھی عربی زبان کے تین حروف ھمزہ، لام اور ھا سے وجود میں آیا ہے۔ یہ لفظ اپنی اصل اور بنیاد کے لحاظ سے مندرجہ ذیل معانی کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے:

۱۔ کسی کا اسی سے سکون پانا

۲۔خوف و پریشانی کے عالم میں بھاگ کر آئے ہوئے کو پناہ دینا۔

۳۔شدید محبت کی وجہ سے سب سے منہ موڑ کر کسی کی طرف متوجہ ہونا۔

۴۔شدید اور حد درجہ محبت کی وجہ سے بچے کا اپنی ماں کے لیے بے چین ہونا۔

۵۔کسی کا اپنے آپ کو مکمل طور سے کسی کے سامنے ذلیل وخوار کر دینا۔

اب اللہ تعالیٰ کو اِلٰہ ماننے کا یہ مفہوم ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی رب ہے تو وہی عبادت کا مستحق بھی ہے اور عبادت کے لیے جو چند لازمی صفات ہیں، ان کا حق دار بھی بالذات اللہ تعالیٰ ہی ہے، چنانچہ مالک صرف وہی ہوگا، حکومت اسی کی ہوگی، اطاعت اسی کی ہوگی، خوف وخشیت بھی اسی سے رکھنا ہوگا، امید بھی اسی سے لگائی جائے گی، پکارا صرف اسی کو جائے گا، مراد اسی سے مانگی جائے گی۔ثواب وعتاب کے دن کا تنہا مالک وہی ہے، محبت صرف اسی سے ہوگی اور اسی کے لیے ہوگی، لہٰذا طلب اسی کو کیا جائے اور اسی وجہ سے قصد وارادہ اسی کا کیا جائے گا اور پھر بندہ جب اسی کو مقصود مان کر اس کی طرف بڑھے گا تو اس پر لَاَفَاعِلَ اِلَّا اللہ (درحقیقت اللہ کے سوا کوئی فاعل نہیں) کی حقیقت کھل جائے گی اور پھر اس کو اس کے مولیٰ کی طرف سے یہ انعام حاصل ہوگا کہ ہر طرف صرف اسی کا جلوہ نظر آئے گا اور اس کے سوا مشاہدہ میں کوئی نہیں ہوگا اور پھر بندہ جب ذرا قدم اور آگے بڑھائے گا تو وہ بات جس کا پہلے اس کو علم الیقین تھا کہ اللہ کے سوا کوئی موجود بالذات نہیں۔اب اس کا حق الیقین حاصل ہوجائے گا اور لَامَوجودَ اِلَّا اللہ کی حقیقت واضح ہوجائے گی۔

عقیدۂ ربوبیت کی اہمیت:

رب کی ربوبیت پر ہمارا ایمان جیسا ہوگا اس کی الوہیت پر بھی ہمارا ایمان ویسا ہی ہوگا، کیوں کہ ربوبیت پر ایمان اصل ہے اور اس کی الوہیت پر ایمان ربوبیت پر ایمان کا ثمرہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر جگہ اپنی عبادت کو اپنی ربوبیت سے جوڑ کر ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔(نسا:۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے عہد لیا تو وہاں اپنی ربوبیت کا ہی عہد لیا اور سب نے اس کی ربوبیت کا ہی اقرار کیا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی۔

(اعراف:۱۷۲)

ترجمہ: اور اس واقعے کو یاد کیجیے جب آپ کے رب نے اولاد آدم سے ان کی پشت میں عہد لیا اور شہادت لی کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا کیوں نہیں۔

جب دارالعمل دنیا میں آکر لوگ اسی پیمان کو بھول بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انبیائے کرام ورسولان عظام کو صحیفوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا اور انھوں نے لوگوں کو اللہ کی ربوبیت اور پھر نتیجے کے طور پر اسی کی عبادت کرنے کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔جب بھولا سبق یاد آگیا اور بندہ اس کی عبادت میں کھڑا ہوا تو نماز میں پہلے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہوا

جس میں اللہ کے رب العالمین ہونے کی بات پہلے کہی گئی اور پھر اس کی عبادت اور اس سے مدد طلب کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآنی دعاؤں اور اللہ کے رسول سے منقول اذکار میں بھی اللہ کے ذاتی نام اللہ کے بعد صفاتی ناموں میں اکثر مقامات پر رب کا ہی ذکر آیا ہے۔ بعد میں انسان جب اپنی عملی زندگی گزار کر برزخی زندگی میں پہنچا، قبر کی منزل آئی تو وہاں بھی سوال یہی ہوا من ربك؟ کہ عالم ارواح میں جس کو تو نے رب مانا تھا دنیا میں اور عملی زندگی میں تو نے اس کو رب مانا یا نہیں۔ گویا عالم ارواح میں بندوں کی کلاس ہوئی، عالم دنیا میں اس کلاس کی تیاری کا موقع دیا گیا اور عالم برزخ میں اسی پڑھائے ہوئے سبق کا جواب طلب کیا گیا تا کہ اسی کے مطابق کامیابی کا نتیجہ سامنے آجائے۔

ان تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کے وجود پر ایمان لانے کے بعد سب سے اہم اس کی ربوبیت کا عقیدہ ہے۔ ربوبیت کے مفہوم میں اتنی گہرائی ہے کہ اس عقیدے پر قائم ہو جانے سے بندہ دوسری تمام صفتوں پر خود بخود ایمان لے آتا ہے۔ اور اللہ کی ربوبیت پر ایمان میں جب کمال پیدا ہوجاتا ہے تو الوہیت کا عقیدہ بے چون وچرا اس کے دل میں سما جاتا ہے۔

عقیدۂ ربوبیت اور ہماری دینی زندگی

آج اگر ہم اپنی دینی زندگی کا جائزہ لیں، بلکہ تاریخ کے جھروکوں سے ماضی میں جھانکیں اور مسلمانوں کو دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ہر دور میں اللہ کی ربوبیت پر ایمان میں کمی بیشی ہوئی اور اس کی وجہ سے ہی لوگوں کی دینی وروحانی زندگی میں اتار چڑھاؤ آیا۔ چنانچہ جب بھی اہل ایمان کے عقیدۂ ربوبیت میں ترقی ہوئی اس کے رازق ہونے، مالک ہونے، متصرف ہونے، غنی ہونے اور حاکم ہونے پر ایمان میں اضافہ ہوا۔ اللہ پر توکل بڑھا، اس کی مشیت، اس کے ارادے اور اس کی تقدیر پر ایمان مضبوط ہوا، دنیا اور دنیا داروں سے بے رغبتی پیدا ہوئی اور اس کی طرف توجہ میں اضافہ ہوا، رب تعالیٰ سے رشتہ مضبوط ہوا اور اس کے نتیجے میں رب تعالیٰ کی یاد، اس کی عبادت بڑھی اور اس کی اطاعت کا جذبہ فروغ پایا، خوف وخشیت سے لوگوں کے دل آباد ہوئے، دنیا اور دنیا داروں سے امیدوں کا رشتہ ٹوٹا اور مولیٰ تعالیٰ سے لو بڑھی، روز حساب پر یقین مستحکم (مضبوط) ہوا، اس کی مالکیت، اس کی حاکمیت اور اسی سے استعانت پر ایمان بڑھا، اس کے عملی نمونے بھی کثرت سے سامنے آئے، اسی سے محبت اور اسی کے لیے محبت بڑھنے لگی اور وہی مطلوب اور وہی مقصود بن گیا، ہر جگہ اسی کی تاثیر نظر آنے لگی اور پھر اسی کا جمال نگاہوں میں پھرنے لگا اور جب بھی عقیدۂ ربوبیت میں کمزوری پیدا ہوئی ایمان کے مذکورہ مظاہر اور نمونے کم سے کم ہوئے۔

دنیا طلبی، عیش کوشی بڑھی، توکل کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، تقدیر پر ایمان کمزور ہوا، اللہ کے ارادہ واختیار پر ایمان میں ضعف پیدا ہوا، اور دنیا کے کتے بنتے چلے گئے، اس طرح رب تعالیٰ سے رشتہ کمزور ہوا، اس کی یاد اور اس کی عبادت میں کمی آئی، اس کی محبت اور اس کے لیے محبت کی جگہ دنیا کی محبت اور دنیا کے لیے محبت نے لے لی۔ رب تعالیٰ کے بجائے دنیا مطلوب ومقصود بن گئی، ہر طرف دنیا کی ہی اثر آفرینی نظر آنے لگی اور پھر اس کی رنگینیاں نگاہوں میں رچ بس گئی۔ عملی طور پر ایسا ظاہر ہونے لگا کہ دنیا کا وجود حقیقی اور اسی کے لیے بقا ہے اور لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ کے بجائے لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا الدُّنْیَا کا یقین سماتا چلا گیا۔ تمام انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین نے

اپنے اپنے زمانے میں اس کی درستی کے لیے پوری زندگی صرف کردی اور اللہ کی اس زمین پر جتنے بھی صدیقین ہیں وہ سب کے سب اسی مشن میں لگے ہوئے ہیں، اٹھتے بیٹھتے اسی عقیدۂ ربوبیت کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں نقش کرنے میں لگے ہیں۔ مشائخ عارفین اور سچے صوفیوں میں سے کسی کی کتاب یا ان کے ملفوظات کا کوئی مجموعہ اٹھا لیجیے ہر جگہ توحید کا یہی نغمہ ملے گا۔

قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کی ''الفتح الربانی'' کا مطالعہ کیجیے یا ان کے ''فتوح الغیب'' یا پھر محبوب الٰہی کی فوائد الفواد ہر جگہ توحید کے جلوے نظر آئیں گے۔ ان کتابوں کے مطالعے کے وقت ہمیں اپنی تصویر صاف نظر آئے گی اور احساس ہوگا کہ ابھی ہم نے تو صحیح طور پر نہ اللہ تعالیٰ کو رب مانا ہے اور نہ معبود۔ رزق کے لیے تگ و دو ہے اور رزاق سے بے رغبتی مخلوق سے رشتہ ہے اور خالق سے لاتعلقی، دنیا اور دنیاداروں کی مالکیت وحاکمیت کا اقرار اور ان سے محبت ہے اور احکم الحاکمین اور مالک الملک کا انکار، اپنے رب کو بھول کر ماسوا کو اپنا رب اور معبود بنائے ہوئے ہیں اور ہلاکت کی طرف بڑھتے چلے جارہے ہیں۔

آج ہم اپنے مسلم معاشرے کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ سماج کی یہ خرابی اور سوسائٹی کا یہ فساد اللہ کی ربوبیت کا عقیدہ کمزور ہونے ہی کی وجہ سے ہے۔ زبان سے اقرار اور قلب میں انکار ہے۔ یہ ایسا مرض ہے کہ اگر کسی ماہر ڈاکٹر سے اس کا علاج نہیں کرایا گیا تو کل قیامت میں ہماری ہلاکت یقینی ہے اور مرض بھی اس قدر بڑھ چکا ہے کہ خود سے ہلکی پھلکی دوا لینے اور بزرگوں کے ملفوظات کے مطالعے سے اس کا علاج ہونے والا نہیں بلکہ اس کے لیے کسی ماہر ڈاکٹر کے زیر نگرانی آئی سی یو (اعتکاف) میں داخل ہونے کی ضرورت ہے۔

مشائخ کرام قدس اللہ اسرارہم جو دین و دل کے ماہر طبیب اور تمام باطنی امراض کی باریکیوں سے آشنا ہیں، ان کی خانقاہیں دراصل ایسے مریضوں کے لیے شفا خانہ ہیں جہاں ان کی صحبتوں میں رہ کر، ان کی خانقاہ میں کچھ دن کے لیے سب سے منقطع ہو کر، ان کی مجالس میں آہ و زاریاں کر کے، ندامت کے آنسو بہا کر اپنے مہلک امراض سے نجات پا سکتے ہیں اور ان کے دیے گئے نسخۂ مذاکرہ و مراقبہ، ذکر و فکر کو استعمال کر کے اپنی روحانی و دینی زندگی کو حیات نو عطا کر سکتے ہیں، لیکن افسوس صد افسوس کہ اب ایسے شفا خانے بھی کم سے کم ہو گئے ہیں اور اگر کوئی شفا خانہ موجود بھی ہے تو وہاں پہنچنے سے حب جاہ، حب دنیا اور حب نفس روکے ہوئے ہے اور ہلاکت سے بے پرواہ جہنم کی طرف ہم بڑھتے چلے جارہے ہیں۔

ابھی بھی وقت ہے ہم باز آجائیں اور کوئی ایسا بندہ جو پہاڑ جیسے ایمان کے ساتھ بہ نفس نفیس اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں لگا ہوا ایسے صادق کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کو اپنی توبہ پر گواہ بنالیں، ان کی تربیت میں اپنے آپ کو ڈال دیں اور اس راہ پر چلنے کی کوشش کریں جس پر چل کر وہ قرب الٰہی سے سرفراز ہوئے اور بلا واسطہ بارگاہ رسالت سے فیض پانے کے قابل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مشائخ عارفین کی صحبت میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے تقاضوں پر ہمارا ایمان مضبوط ہو سکے، ہمیں قلبی تصدیق حاصل ہو سکے اور پھر عمل کی توفیق حاصل ہو سکے، تا کہ ہم ایمان حقیقی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

٭٭٭

غلام مصطفیٰ ازہری

کیا بیعت، واجب شرعی ہے؟

برصغیر ہندو پاک میں بیعت کو دین کا ایک اہم رکن اور واجب شرعی سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ہر مسلمان کے لیے کسی شیخ سے بیعت ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے، کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ بیعت کے بغیر دنیا و آخرت میں کامیابی پانا ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَ جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (مائدہ:۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو، اس کی راہ میں مجاہدہ کرو، تاکہ تم کامیاب ہو۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

یَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا، وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا۔ (اسرا:۱۷۔۷۲)

ترجمہ: جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے، چنانچہ جس کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اس کو پڑھے گا، اس پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور جو اس زندگی میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا ہوگا، بلکہ اور بھی زیادہ گمراہ ہوگا۔

اور بعض لوگ مشائخ کا یہ قول بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں:

مَنْ لَّا شَیْخَ لَہٗ فَالشَّیْطَانُ شَیْخُہٗ

ترجمہ: جس کا کوئی شیخ نہیں شیطان اس کا شیخ ہے۔

یہاں ایک دوسرا طبقہ بھی ہے جو بیعت و ارادت اور پیری مریدی کو درست نہیں سمجھتا ہے، بلکہ اپنے لیے صرف قرآن و حدیث کو کافی سمجھتا ہے اور بیعت و ارادت یا شیخ و مرید اختیار کرنے کو دین میں اضافہ سمجھتا ہے۔

اس مسئلے کو صحیح طور سے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ فلاح و کامیابی کیا ہے اور اس کے درجات کیا ہیں؟

فلاح، یعنی آخرت میں کامیابی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔فلاح عام ۲۔فلاح خاص ۳۔فلاح خاص الخاص

فلاح عام یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب شخص کسی طرح جنت میں داخل ہوجائے، اللہ کے فضل سے یا کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت سے، اگرچہ اسے ایک عرصے تک جہنم میں رہنا پڑے۔ اس فلاح کو فلاح مغفرت بھی کہتے ہیں۔

یہ فلاح مسلمان اور ہر اس شخص کے لیے ثابت ہے جس تک کوئی نبی یا نائب نبی نہیں پہنچا اور اس نے دل سے یہ تسلیم کیا کہ اللہ ایک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فَمَا زِلْتُ أَتَرَدَّدُ عَلَى رَبِّي، فَلَا أَقُومُ مَقَامًا إِلَّا شُفِّعْتُ، حَتَّى أَعْطَانِي اللهُ مِنْ ذَلِكَ، أَنْ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مِنْ خَلْقِ اللهِ، مَنْ شَهِدَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يَوْمًا وَاحِدًا مُخْلِصًا، وَمَاتَ عَلَى ذَلِكَ۔ (مسند احمد، انس بن مالک)

ترجمہ: میں اللہ کی بارگاہ میں دعا کروں گا اور بغیر شفاعت کرائے نہیں اٹھوں گا، یہاں تک کہ اللہ مجھ سے کہے گا کہ:

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اپنی ہر اس امتی کو جنت میں داخل کریں جس نے ایک دن بھی سچے دل سے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی پر اس کی موت ہوئی ہو۔

اس فلاحِ عام کے لیے اس مرشد کی ضرورت ہے جو اُسے کلمۂ توحید پڑھائے، بنیادی عقائد بتائے، دینی ضروریات

جیسے نماز، روزہ وغیرہ کی تعلیم دے۔ والدین ہوں کہ اساتذہ، سب اس کے لیے مرشد و رہنما ہیں۔

قرآن کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور اللہ کی شریعت کو بندوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات از اول تا آخر عوام و خواص سب کے لیے ہادی و مرشد اعظم کی ہے۔ ہر شخص ان کی ہدایت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کرنا واجب ہے۔

فلاح خاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو بخش دے اور اس کو بغیر جہنم میں داخل کیے ہوئے جنت میں داخل کر دے۔ اسے فلاح تقوی بھی کہا جاتا ہے جو عام صالحین کو حاصل ہے۔ یہ وہی فلاح ہے جس کی طرف سبقت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ۔ (حدید:۲۱)

ترجمہ: اپنے رب کی بخشش کی طرف تیزی سے دوڑو۔

اس فلاح خاص کے لیے مرشد خاص کی ضرورت ہے۔ قرآن و احادیث، علمائے ربانیین کی کتابیں جیسے احیا العلوم، قوت القلوب، کشف المحجوب وغیرہ، مشائخ کے ملفوظات جیسے محبوب الٰہی کی تعلیمات پر مشتمل فوائد الفواد، نیکوں کی صحبت، یہ سب مرشد خاص میں شامل ہیں جن سے قلوب کی بیماریاں اور نفس کی خرابیاں دور کی جا سکتی ہیں۔

فلاح خاص الخاص یہ ہے کہ قلب اور قالب رذائل سے پاک ہو اور فضائل سے مزین ہو، یہاں تک کہ دل شرک خفی کے باقیات سے بالکل پاک و صاف ہو جائے، کمال کے اعلی درجے پر پہنچ جائے، تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرنے لگے اور اس کا مقصود صرف اللہ ہو جائے، پھر اس کی کیفیت لَا مَشْهُوْدَ إِلَّا اللهُ اور پھر لَا مَوْجُودَ إِلَّا الله تک پہنچ جائے، یعنی پہلے غیر کے ارادے سے دل کو خالی کرے، پھر غیر اس کی نگاہوں سے دور ہو جائے یہاں تک کہ وہ اپنے قلب کی آنکھوں سے تجلیات کا مشاہدہ کرنے لگے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: احسان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔ (بخاری، کیف بدأ الوحی)

ترجمہ: آپ اللہ کی عبادت اس طور پر کریں گویا آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں، اگر یہ نہ ہو سکے کہ آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں تو کم سے کم یہ یقین ضرور ہو کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔

یہ فلاح کا اعلیٰ درجہ اور سیر الی اللہ کی انتہا ہے اور اسی کو مقام احسان بھی کہتے ہیں۔

فلاح خاص میں عذاب سے دوری اور راحت کا حصول ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔ (آل عمران:۱۸۵)

ترجمہ: جسے جہنم سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، وہی کامیاب ہے۔

فلاح خاص الخاص اس سے بہت بلند ہے کیونکہ صاحب احسان عذاب کے خوف اور جنت کی خواہش سے بلند ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (یونس:۶۲)

ترجمہ: یقیناً اللہ کے برگزیدہ بندوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم۔

اس فلاح کے حصول کے لیے انسان کو ایک کامل مرشد اور مربی کی ضرورت ہے۔ عارفین باللہ کی بیعت حقیقتاً اسی فلاح کے لیے ہے اور اگر بعض لوگ اس فلاح کے حصول کا قصد کیے بغیر بیعت ہوتے ہیں تو اسے یا تو بیعت توبہ کہیں گے

یا بیعت تبرک کہیں گے،اس سے بھی آخرت میں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا۔

لیکن صوفیائے کرام کے یہاں جو بیعت مطلوب اور مقصود ہے وہ ''بیعت احسان'' ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے کے بعد کسی مرشد کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: یَآ أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَابْتَغُوا إِلَیْہِ الْوَسِیلَۃَ۔ (مائدہ:۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ تک رسائی کا وسیلہ تلاش کرو۔

اور جو وسیلۂ خاص الخاص اور مرشد کامل اختیار نہ کرے گا وہ فلاح احسان نہیں پائے گا، وہ اللہ کی معرفت حاصل نہیں کر سکے گا، اس کا قلب اللہ کی تجلیات سے منور نہیں ہوگا اور وہ مولیٰ کے دیدار سے محروم رہے گا اور یہ جان لیں کہ جو اس دنیا میں محروم رہے گا وہ آخرت میں بھی محروم رہے گا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَمَنْ کَانَ فِي ھَذِہٖ أَعْمٰی فَھُوَ فِي الْآخِرَۃِ أَعْمٰی وَأَضَلُّ سَبِیلًا۔ (اسرا:۱۷۔۷۲)

ترجمہ: اور جو اس زندگی میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا ہوگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

اس گفتگو سے واضح ہوا کہ ہر مسلمان کے لیے بیعت ہونا ضروری تو نہیں ہے، لیکن اُسے یقینی طور پر مرشد کی ضرورت ہے جو اسے ضروریات دین کا علم دے، نیز واجبات شرعیہ پر کاربند رہنے اور محرمات سے بچنے کی تلقین کرے اور یہ مرشد خواہ کتاب کی شکل میں ہو، والدین کی شکل میں ہو یا پھر اساتذہ و عمل کی شکل میں۔

ہاں! جو اپنے دل سے غیر اللہ کا تصور مٹانا چاہتا ہے اور اپنی عبادتوں خاص کر نمازوں میں کأنك تراہ (گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو) کی کیفیت حاصل کرنا چاہتا ہے، اللہ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے قلوب کی بیماریوں کو دور فرمائے۔

لیکن جو اِس سے بھی اعلیٰ مقام چاہتا ہے اُسے ایسے شیخ کی صحبت و بیعت کی ضرورت ہے جو خود بھی کامل ہو اور دوسروں کو بھی کامل بنانے والا ہو۔ جو دلوں کے امراض سے بھی واقف ہو اور علاج سے بھی۔ جو اس راہ کی گھاٹیوں سے بھی واقف ہو اور اپنے مریدوں کو ان سے نجات بھی دلاتا ہو۔ جنید و شبلی اور بایزید و تبریزی اسی مرشد خاص الخاص کی مثالیں ہیں۔ مرشد خاص الخاص اصل میں آپ کا ذاتی ڈاکٹر ہوتا ہے جو قریب سے آپ کے امراض کا جائزہ لیتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ آپ کے لیے دوائیں تجویز کرتا ہے۔

یہ وسوسہ بھی عام ہے کہ ایک شخص جو شیخ اتصال سے بیعت ہو، اُسے شیخ ایصال ملتا ہے اور اس کا دل وہاں زندہ بھی ہوتا ہے لیکن پھر بھی ان کی تربیت میں جانے، ان کی صحبت اختیار کرنے اور ان سے بیعت ہونے میں وہ شخص کراہت محسوس کرتا ہے، اگر چہ وہ شیخ ایصال ایسا ہو جس کی شان قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ ہو، جو مقام مخدع پہ فائز ہو اور اپنے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب مطلق ہو اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں تو پہلے ہی بیعت ہو چکا ہوں اب دوسرے شیخ سے کیسے بیعت ہو جاؤں۔

یہ وسوسہ بھی شیطانی ہے کیونکہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ شیخ اتصال سے بیعت، بیعت تبرک ہے یعنی مرید کا شمار اس نیک شخص سے محبت کرنے والوں میں ہوگا نہ کہ حقیقی مرید میں اور شیخ اتصال سے طریقت و معرفت کے مدارج ومقامات طے نہیں کیے جا سکتے۔

✲✲✲

اشتیاق عالم مصباحی

دنیا کی محبت میں کوئی خیر نہیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ۔ (قصص:۷۷)

ترجمہ: اور جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کرو اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھولو اور احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، بیشک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا۔

دنیا برائے دین ہو تو وہ دنیا نہیں اور دین برائے دنیا ہو تو وہ دین نہیں، اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے آئیے سب سے پہلے دین و دنیا کی تعریف پر غور کرتے ہیں:

دین: اُس قانون الٰہی کا نام ہے جو انسان کو خیر بالذات یعنی اللہ تک پہنچائے۔

دنیا: اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ ہے اُسے دنیا کہا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ماں باپ، گھر بار، بیوی بچے، مال و دولت اور عزیز و رشتے دار سب دنیا ہیں، اگر مال و دولت کا استعمال، عزیز و اقارب کی مدد، بیوی بچوں کی پرورش اور ماں باپ کی دیکھ بھال، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور دین کی راہ میں ہو اُسے دنیا نہیں کہا جاتا، بلکہ یہ عین دین ہے، اگر کوئی ملک کی جامع مسجد میں معتکف ہو اور عوام کی جیب پر نظر رکھے تو اس کی تسبیحات و عبادات دین نہیں کہلائیں گی، بلکہ یہ دنیا ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فَمِ امْرَأَتِكَ۔ (بخاری، انما الاعمال بالنیۃ)

ترجمہ: اللہ کی رضا کی خاطر جو کچھ تم خرچ کرو گے یقیناً اس کا تمھیں اجر دیا جائے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کو اللہ کی رضا کی خاطر کھلاؤ گے اس پر بھی تمھیں ثواب دیا جائے گا۔

دین و دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں جو ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں، کیونکہ دین اللہ کا مقرب بناتا ہے جب کہ دنیا اللہ سے دور اور ذکر سے غافل کر دیتی ہے۔

مثنوی ''نغمات الاسرار'' میں ہے:

اہل دنیا کے لیے عقبیٰ نہیں
اہل عقبیٰ کے لیے دنیا نہیں
دین و دنیا دونوں ہاتھ آتے ہیں کب
یہ ہوس دل میں نہ رکھ اے بے ادب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم دنیا کی حقیقت بیان کرتے ہوے ارشاد فرماتے ہیں:

یاد رکھو دنیا دھوکہ اور مکر و فریب کی جگہ ہے جو ہر دن شادی کرتی ہے ہر رات رشتے داروں کا قتل کرتی ہے اور ہر لمحہ قوم میں تفرقہ (جدائی و دشمنی) ڈالتی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں اس دنیا کے بارے میں کیا بتاؤں جس کی ابتدا رنج و غم اور انتہا فنا ہے۔ اس کے حلال میں حساب اور حرام میں عذاب ہے۔ جو اس کی طرف دوڑا، اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور جس نے اس سے منھ پھیر لیا اس کے پاس حاضر ہو گئی۔

مرشد گرامی شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی ارشاد فرماتے ہیں کہ: دنیا کی مثال اس سائے کی طرح ہے جس کی طرف لپکنے سے ہاتھ نہیں آتا اور اگر اس سے منھ پھیر لیا جائے تو وہ تمہارے پیچھے اور تمہارے ساتھ ہو جاتا ہے۔

میرے بھائیو! اللہ نے کسی بھی شخص کے اندر دو دل نہیں رکھا کہ ایک دل دین کا مرکز ہو اور دوسرا دل دنیا کا عاشق، بلکہ

سب کے پاس ایک ہی دل ہے، جس میں اللہ کی محبت ہوگی یا پھر دنیا کی محبت، اگر دل دنیا کی محبت کی آماجگاہ بن گیا تو یقین جانیے کہ ہلاکت مقدر ہے، کیونکہ دنیا کی محبت ہی تمام برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا اَصْلُ كُلِّ مَعْصِيَةٍ وَّاَوَّلُ كُلِّ ذَنْبٍ۔

(تنبیہ الخواطر، ج:۲،ص:۱۲۲)

ترجمہ: دنیا کی محبت ہی تمام گناہوں کی بنیاد اور ہر گناہ کی ابتدا ہے۔

قرآن مقدس میں متعدد مقامات پر ان لوگوں کی برائی بیان کی گئی ہے جنھوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ۔ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ۔ (ابراہیم:۳)

ترجمہ: اور کافروں کی خرابی ہے ایک سخت عذاب سے، جنھیں آخرت کے مقابلے دنیا سے زیادہ محبت ہے۔

اگر مومن کا دل اللہ کی محبت سے معمور ہو تو پھر دنیا کی ہر چیز دین بنتی نظر آتی ہے، کیونکہ وہ ہر لمحہ اللہ کی رضا ڈھونڈتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اسی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔ اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے مال ومنال، گھر بار، کھیتی باڑی، بلکہ خود اپنے وجود میں دار آخرت تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ عام انسان کے لیے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اس کا وجود ہوا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حادثاتی موقعوں پر اپنی آل واولاد کے بجائے انسان پہلے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرتا ہے، اس لیے بندے پر لازم ہے کہ اپنے وجود کے ہر حصے میں اللہ کی رضا تلاش کرے اور دنیا کو آخرت کے لیے استعمال کرے، کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور یہی انسان کے لیے دنیا کا حقیقی حصہ ہے۔

بعض مفسرین نے ولا تنس نصيبك من الدنيا کی وضاحت حلال روزی سے کی ہے، کیونکہ جہاں ایک بندے پر اللہ کا حق عائد ہوتا ہے وہیں اس کے اہل وعیال اور عزیز و اقارب کا بھی حق ہے۔

اسلام میں حلال کمائی کی بڑی اہمیت ہے، قرآن مقدس میں متعدد مقامات پر تلاش رزق کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجارت کی اور شادیاں کیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی طریقہ رہا۔ لیکن ان سب کے باوجود صحابہ واصل الی اللہ تھے، وہ ہماری طرح غافل نہیں تھے۔ ہماری زندگی اس مردار دنیا کے لیے ہوتی ہے۔ (الا ماشاء اللہ) جب کہ اُن کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے میں گزرتا تھا، وہ دنیا میں تھے لیکن دنیا ان کے دل میں نہیں تھی۔ ہم دین دار کہلاتے ہیں اور دین ہمارے اندر نہیں ہوتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ولا تنس نصيبك من الدنيا کی تفسیر کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

لاتنس صحتك وقوتك وشبابك وغناك ان تطلب بها الاخرة۔ یعنی اپنی صحت وتندرستی، اپنی طاقت و جوانی اور اپنی دولت سے آخرت طلب کرو۔

اس قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: بڑھاپے سے پہلے جوانی، بیماری سے پہلے تندرستی، فقر و مفلسی سے پہلے اپنی مالداری، مصروفیات سے پہلے فرصت کے لمحات اور موت سے پہلے اپنی زندگی کو۔ (حاکم، بیہقی)

یہ وہ نسخہ ہے جسے بار بار پڑھنے، غور کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کسی نے بھی اسے اپنی زندگی میں اپنا بنا لیا یقیناً کامیابی اس کے قدموں میں ہوگی۔

٭٭٭

شاہد رضا ازہری

خوفِ الٰہی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (حشر:۱۹،۱۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرتا رہے کہ اس نے کل قیامت کے لیے کیا بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انھیں بھلا دیا وہی لوگ فاسق ہیں۔

اس آیت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہاں پہلے اتقوا سے مراد یہ ہے کہ اس کے احکام کو بجا لانے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی اطاعت کرتے رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی لمحہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جاؤ اور تمہارے اعمال برباد کر دیے جائیں اور دوسرے اتقوا سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہ کرو اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ سے ڈر اور خوف کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص کو خواہش نفس گناہ پر آمادہ کرے تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرے پھر خوف الٰہی کی وجہ سے گناہ کے ارادے کو چھوڑ دے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کا دل پگھل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی محبت ثابت ہو جاتی ہے مزید اس کے لیے اس کی عقل صحیح ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔ (اعراف:۲۰۱)

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، جب شیطان ان کے دلوں میں برے خیال ڈالتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (یعنی وہ گناہوں سے باز آجاتے ہیں)

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ خوف الٰہی ان کے دل میں موجزن ہو، اللہ تعالیٰ کا ڈر ہمیشہ موجود ہو، وہ ہمہ وقت بارگاہ الٰہی میں اپنی پیشانی خم کیے ہوں، گریہ وزاری کرنے والے ہوں، ان کی آنکھیں ہمیشہ اشکبار رہیں، اگر ان کی آنکھوں سے آنسو کے دو بوندیں نہ گر سکیں تو کم سے کم وہ رونے کی کوشش کرنے والے ضرور ہوں اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان یاد کرے پھر اپنے دلوں میں نادم و شرمندہ ہوں۔ جب کبھی خلاف شرع کوئی کام کر بیٹھے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكٰى مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ حَتّٰى یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ۔ (ترمذی باب فی فضل البکاء فی خشیۃ اللہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والا جہنم میں نہیں جائے گا یہاں تک کہ دودھ تھن میں واپس ہو جائے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ مؤمن یَخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْهِ دُمُوْعٌ وَإِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ، ثُمَّ یُصِیبُ

شَيْئًا مِنْ حَرِّ وَجْهِهٖ، إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔
(ابن ماجہ، باب الحزن والبکا)

ترجمہ: جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو نکلتا ہے، اگرچہ مکھی کے سر کے برابر ہو پھر اگر اسے اس کے چہرے کی گرمی کی وجہ سے کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کو حرام کر دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتی ہے اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرا دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔ (ترمذی باب فی فضل البکاء فی خشیۃ اللہ)

اب ہمارے لیے لازم ہے کہ خوفِ الٰہی کو اپنی زندگی کا زیور بنالیں اور جیسا اللہ سے ڈرنے کا حق ہے اس کے مطابق ڈریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ۔ (آل عمران: ۱۰۲)

ترجمہ: اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

آج ہم زبانی طور پر خوفِ الٰہی کا دم بھرتے ہیں لیکن ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ آپ نبوت کے عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود ہمیشہ غضب ربانی سے ڈرتے رہتے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَعْلَمَكُمْ بِمَا أَتَّقِي۔ (مسند احمد، عائشۃ بنت صدیق)

ترجمہ: واللہ! مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور جن چیزوں سے بچنا چاہیے ان کا میں تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر تمام لوگ اس پر عمل کریں تو وہ ایک آیت کافی ہوگی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون سی آیت ہے؟ فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ (طلاق: ۲)

ترجمہ: جو شخص اللہ اور حساب کے دن پر ایمان لایا اور اللہ سے ڈرتا رہا تو اللہ رب العزت اس کے لیے نجات کی راہ پیدا فرما دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سات شخص اس دن بھی سایۂ رحمت میں ہوں گے جب کہ اس دن کسی کا سایہ نہ ہوگا، ان میں سے ایک یہ ہے:

وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ۔ (صحیح بخاری باب الصدقہ بالیمین)

ترجمہ: وہ شخص جسے حسن و جمال والی عورت برائی کی دعوت دے مگر وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور ڈر کر تمام بری چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہوتا ہے، اللہ انھیں اپنی رحمتوں کا سایہ عطا فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (حدید: ۲۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھو، اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی

رحمت کے دو حصے عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے ایسا نور پیدا فرمائے گا جس میں تم چلو گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، اللہ تعالیٰ معافی دینے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

جب انسان اللہ سے خوف کرنے لگتا ہے تو اللہ اس کی آنکھوں، زبان، ہاتھ اور پاؤں کی حفاظت فرماتا ہے، پھر وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ وہی کرتا ہے جو اس کے رب کی رضا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ (احزاب: ۷۰، ۷۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور درست بات کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا، تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

جو اللہ سے ڈرتے ہیں اللہ نے ان کی حفاظت و صیانت کی ذمے داری اپنے اوپر لے رکھی ہے اور دنیا و آخرت کی ساری مصیبتوں سے ان کو آزاد فرما دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُوْنَ۔ (فصلت: ۱۸)

ترجمہ: اور ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔

حدیث قدسی میں ہے:

وَعِزَّتِي لَا أَجْمَعُ عَلٰى عَبْدِي خَوْفَيْنِ وَأَمْنَيْنِ إِذَا خَافَنِي فِي الدُّنْيَا أَمَّنْتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَإِذَا أَمِنَنِي فِي الدُّنْيَا أَخَفْتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (شعب الایمان، الخوف من اللہ)

ترجمہ: مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں اپنے بندوں پر دو خوف جمع نہیں کروں گا اور نہ اس کے لیے دو امن جمع کروں گا، اگر وہ دنیا میں مجھ سے ڈرتا رہا تو قیامت کے دن میں اسے امن میں رکھوں گا اور اگر وہ دنیا میں مجھ سے بے خوف رہا تو میں قیامت کے دن اسے خوف میں مبتلا کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں، چوری کرتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں!

وَلٰكِنَّهُ الرَّجُلُ يَصُومُ وَيُصَلِّي وَيَتَصَدَّقُ وَهُوَ يَخَافُ أَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُ۔ (شعب الایمان، الخوف من اللہ)

ترجمہ: ہاں! یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے، نماز ادا کرتے اور صدقہ دیتے ہیں اور وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے نیک اعمال قبول نہ کیے جائیں۔

ڈرنے والوں کی علامت یہ ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوں گے اور وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (بھلائی اور تقویٰ پر مدد کرو اور ظلم و گناہ پر مدد نہ کرو) کی عملی تفسیر ہوں گے، جس طرح وہ ظاہر میں اللہ سے ڈرتے ہیں یعنی تمام برائیوں اور خبیث چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح تنہائی میں بھی وہ اللہ سے ڈرتے ہیں، یعنی جب وہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو خوف الٰہی کی وجہ سے ان کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور ان کے ہر فعل میں عجز و انکساری کا نور نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا۔ (اسرا: ۱۰۹)

ترجمہ: وہ روتے ہیں اور ان کا خشوع بڑھتا رہتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ فگن ہوگی، ان میں سے ایک یہ ہے:

وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ.

(بخاری، باب الصدقہ بالیمین)

ترجمہ: جس شخص نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا یہاں تک کہ اس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

یہ حقیقت ہے جب کوئی خوف الٰہی کی انمول نعمت حاصل کر لیتا ہے تو جنت میں اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہوتا ہے اور وہ اس دائمی نعمت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ. (بینہ:۸)

ترجمہ: ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ایسی جنتیں ہیں جس کے نیچے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے، یہ نعمت ان کو ملے گی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

یہ رتبہ اور درجہ خشیت الٰہی رکھنے والوں کا ہے اور یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی بلکہ جسے اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اسے ہی عطا فرماتا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ. أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

(بخاری، کتاب الایمان)

ترجمہ: جان لو کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر یہ درست ہے تو پورا جسم درست ہے اور اگر یہ خراب ہے تو پورا جسم خراب ہے، وہ دل ہے۔

معلوم ہوا کہ قلب ودل کی اصلاح بہت ضروری ہے اور رہی بات معرفت اور خوفِ الٰہی کی تو جو شخص جس قدر زیادہ اپنے رب کی معرفت سے قریب ہوگا وہ اسی قدر زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوگا۔

٭٭٭

اگر آپ چاہتے ہیں:

- روحانی وایمانی تسکین اور دین ودنیا میں کامیابی
- قرآن وسنت کو آسان زبان میں سمجھنا
- موجودہ زمانے میں انسانیت کی حفاظت
- اور اپنے اندر دینداری پیدا کرنا

تو ماہنامہ **خضر راہ** کا مطالعہ خود کریں اور دوست واحباب کو تحفہ کے طور پر پیش کریں۔

رابطہ کریں:

Office: KHIZR-E-RAH (Monthly)

JAMIA ARIFIA,SAIYED SARAWAN,KAUSHAMBI,ALLAHABAD,PIN: 212213

E-mail: khizrerah@gmail.com

+91-9312922953,+91-7860604036

امام الدین سعیدی

قناعت

قناعت کیا ہے اور ایک مومن کی زندگی میں قناعت کی کیا حیثیت ہے، اس تعلق سے جب ہم احادیث کریمہ اور بزرگوں کے اقوال کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کا صحیح مطلب اور اصل مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ قناعت نہ صرف دنیوی زندگی میں باوقار بناتی ہے بلکہ ایک مومن بندے کو اللہ رب العزت کی رضا سے قریب بھی کرتی ہے۔ یہاں بطور اختصار چند احادیث اور مشائخ کے اقوال درج کیے جاتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْقَنَاعَةُ كَنْزٌ لَا يَفْنٰى۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۷۴)

ترجمہ: قناعت ایسا خزانہ ہے جو ختم نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ، وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ اَشْكَرَ النَّاسِ، وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَاَحْسِنْ مِنْ جَارِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَاَقِلَّ الضَّحِكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيْتُ الْقُلُوْبَ۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۷۴)

ترجمہ: تقوی اور پرہیز گاری اختیار کرو، لوگوں میں سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے، قناعت اختیار کرو، سب سے بڑے شکر گذار ہو جاؤ گے اور جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو، تم مومن بن جاؤ گے، اپنے پڑوسی سے اچھا برتاؤ کرو، تم مسلم ہو جاؤ گے اور کم ہنسو، اس لیے کہ زیادہ ہنسنا، دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

حضرت بشر حافی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اَلْقَنَاعَةُ مَلِكٌ لَا يَسْكُنُ اِلَّا فِيْ قَلْبِ مُؤْمِنٍ۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۷۶)

ترجمہ: قناعت ایسا بادشاہ ہے جو صرف مومن کے دل میں قرار پاتا ہے۔

حضرت ابو عبداللہ خفیف قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اَلْقَنَاعَةُ تَرْكُ التَّشَوُّفِ اِلَى الْمَفْقُوْدِ وَالْاِسْتِغْنَا بِالْمَوْجُوْدِ۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۷۶)

ترجمہ: قناعت خواہش کو ترک کرنے اور موجود سے بے نیاز رہنے کا نام ہے۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْقَنَاعَةُ رِضَاءُ النَّفْسِ بِمَا قُسِمَ لَهَا مِنَ الرِّزْقِ۔

ترجمہ: قناعت یہ ہے کہ دل اس رزق سے مطمئن ہو جائے جو اس کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ مخصوص چیزوں کو پانچ مخصوص مقام میں رکھا ہے:

۱۔ عزت کو طاعت و بندگی میں
۲۔ ذلت کو نافرمانی میں
۳۔ خوف وخشیت کو شب بیداری میں
۴۔ حکمت کو خالی پیٹ میں
۵۔ تونگری کو قناعت میں

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

مَنْ قَنَعَ اِسْتَرَاحَ مِنْ اَهْلِ زَمَانِهٖ، وَاسْتَطَالَ عَلٰى اَقْرَانِهٖ۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۷۶)

ترجمہ: جس نے قناعت اختیار کی وہ دنیا والوں سے سکون پا گیا اور اپنے دوستوں میں آگے بڑھ گیا۔

قناعت کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تنگدستی اور مفلسی کی

حالت میں صبر کرے، بلکہ قناعت کی حقیقت کا تعلق قلب سے ہے کہ انسان کا قلب کس قدر مطمئن اور شاکر ہے، یا حریص اور مضطرب ہے۔ اس مفہوم کو یوں سمجھئے، جیسے: ایک شخص ہے جو بے پناہ دولت کا مالک ہے اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا ہے اس کا قلب بھی مطمئن ہے، وہ اللہ کے حقوق اور فرائض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، نہ مزید کی لالچ رکھتا ہے، نہ وہ اپنے کاروبار میں ایسا کھویا ہے کہ حق تلفی کر جائے، مال یا منصب کے لیے اپنے کو ذلیل نہیں بناتا۔ واجب زکاۃ کے علاوہ صدقۂ نافلہ بھی ادا کرتا ہے، حرام طریقوں سے پرہیز کرتا ہے۔ حال یہ ہو کہ اگر تجارت میں نفع ملے تو شکر ادا کرے، اگر نقصان ہو تو اللہ کی تقدیر سمجھ کر راضی رہے، ایسا شخص قناعت والا کہلائے گا، اگر چہ قارون کے خزانے کا مالک ہی کیوں نہ ہو جائے۔ دوسرا وہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کا بھی مال میسر نہ ہو اور اس کا دل حرص وطمع سے بھرا ہو، وہ اللہ کے مقررہ رزق سے مطمئن نہ ہو، بلکہ رازق کائنات پر اعتراض کرتا ہو، لوگوں کے درمیان اپنی خستہ حالی اور مفلسی کی شکایت کرتا ہو، ہر حرام طریقے سے مالدار بننا چاہتا ہو تو ایسا شخص قناعت سے محروم شمار ہوگا، اگر چہ وہ ایک پیسے کا بھی مالک نہ ہو۔

قناعت کے فائدے

ا۔ قوت ایمان میں استحکام اور اللہ کی تقدیر پہ راضی بہ رضا رہنا، اس بات کا یقین حاصل ہو جانا کہ اللہ ہی اپنے بندوں کے رزق کا انتظام کرنے والا ہے، اگر اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تب بھی اسے یہ یقین رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

میں اس وقت سب سے زیادہ رزق کی امید رکھتا ہوں جب لوگ یہ شکایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ میرے گھر میں آٹا نہیں ہے۔

امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کا دن وہ ہوتا ہے جس دن میرے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔

فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ:

قناعت زہد اور رضا کا نام ہے (یعنی جو موجود ہے اس سے بے رغبت ہو، اسی پر راضی ہو اور مزید کی لالچ نہ ہو۔

۲۔ خوشحال اور پاکیزہ زندگی کا نام قناعت ہے۔ قرآن کریم میں جہاں حیاۃ طیبہ کا لفظ ہے اس کی تفسیر میں حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

اَلْحَیَاۃُ الطَّیِّبَۃُ ھِیَ الْقَنَاعَۃُ۔ (رسالہ قشیریہ)

یعنی پاکیزہ اور خوشحال زندگی کا نام ہی قناعت ہے۔

۳۔ قناعت کا پھل کامیابی اور بشارت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص کامیاب ہوگیا جو اسلام لایا اور اسے ضرورت بھر رزق دیا گیا پھر وہ اللہ کی دی ہوئی مقدار پر صابر ہوگیا۔

۴۔ قناعت کے ذریعے ان گناہوں سے بچتا ہے جو قلب کو پراگندہ کرتے ہیں اور نیکیوں کو کھا جاتے ہیں، جیسے: حسد، غیبت، جھوٹ اور چغل خوری جیسی بری خصلتیں، اس لیے کہ ان گناہوں میں عام طور سے وہی شخص مبتلا ہوتا ہے جو حصول دنیا اور دنیاوی نقصان سے بچنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور جو اپنے مقدر پر قناعت اور صبر کرنے والا ہو تو اس کے قلب میں یہ سب ہلاک کرنے والی اور بری خصلتیں نہیں پیدا ہوتیں۔

قناعت کیسے حاصل ہو؟

یہ بات واضح ہے کہ انسان کی فطرت میں اللہ تبارک وتعالی نے مال و دولت اور منصب و جاہ کی خواہش رکھ دی ہے اور قناعت اس سے روکتی ہے تو بہر حال کسی کو بھی درجۂ قناعت

حاصل کرنے کے لیے سخت مجاہدے کی ضرورت ہوگی اور اسے اپنی خواہشوں کی قربانی دینی پڑے گی، اس شرط کے ساتھ کہ وہ اللہ رب العزت کی رحمت پر کامل یقین رکھے، مخلص بن کر اس کی طلب کرے، اللہ اسے ضرور عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (عنکبوت ۶۹)

ترجمہ: جو ہماری راہ میں کوشش کرے گا اسے ہم کامیابی کے راستے ضرور بتائیں گے۔

قناعت کے حصول کے لیے درج ذیل طریقوں سے مدد لی جاسکتی ہے:

۱۔ ایمان باللہ میں زبردست مضبوطی ہو کہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے، وہی جسے، جب اور جیسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے اور جسے چاہے محروم کر دیتا ہے۔

۲۔ اس بات کا یقین ہو کہ ہر انسان کا رزق اسی وقت لکھ دیا گیا ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں تھا۔ بندہ صرف کسب اور کوشش کرسکتا ہے، عطا کرنے والا صرف اللہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ جو جس کی قسمت میں اس نے لکھ دیا وہ پاکر ہی رہتا ہے، چاہے کسب سے یا بلاکسب اور جو اس کی قسمت میں نہیں اسے وہ کسی بھی طرح نہیں حاصل کرسکتا ہے۔

۳۔ دنیاوی امور میں جو تم سے کمتر ہو، اسے دیکھو اور جو تم سے زیادہ بہتر ہو، اس کی طرف مت دیکھو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللهِ۔

(مسلم، کتاب الزہد)

ترجمہ: اپنے سے کمتر کو دیکھو، بہتر کو مت دیکھو تا کہ تم اللہ کی نعمت پر ناشکری کرنے سے بچ جاؤ۔

ایسا نہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مفلس و محتاج تم ہی ہو، بلکہ تم سے بھی زیادہ اور بڑھ کر خستہ حال، بدحال اور پریشان لوگ موجود ہیں، انھیں دیکھو گے تو تمھیں اپنی حالت پر اطمینان اور شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہوگا اور اگر اپنے سے زیادہ خوشحال لوگوں کو دیکھو گے تو ناشکری اور پریشان حالی کی کیفیت پیدا ہوگی۔

۴۔ اس بات کا علم کہ مالداری کا انجام برا ہے اور اس کا وبال مال والے پر ہے کہ اس نے کن طریقوں سے مال حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاَ تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ۔

(ترمذی، باب فی القیامۃ)

ترجمہ: قیامت کے دن بندہ کا قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا جب تک کہ اس سے اس کی زندگی کے بارے پوچھا نہیں جائے گا کہ تو نے اپنی عمر کس کام میں لگائی؟ جب تک کہ علم کے بارے میں سوال نہیں ہوگا کہ کس کام میں اس کا استعمال کیا؟ جب تک کہ مال کے تعلق سے سوال نہیں ہوگا کہ کہاں سے حاصل کیا اور کس کام میں خرچ کیا اور جب تک کہ بدن کے بارے میں سوال نہیں ہوگا کہ کہاں کھپایا؟

اس لیے ایک مومن بندے کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر حال میں صبر و قناعت کو ترجیح دے اور ہر خوشحالی و بدحالی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر راضی رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔ (احزاب: ۷۱)

ترجمہ: جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوا۔

✲✲✲

آفتاب رشک مصباحی

کامیاب زندگی کی علامتیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ (ولادت:۹۵۸ھ وفات: ۱۰۵۲ھ) کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ شیخ دہلوی؛ اسلام کی ان تعلیمات ونظریات کے نمائندہ ہیں جن کی دعوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام صحابہ نے دی، جنھیں ارباب اعتدال تصوف کا نام دیتے ہیں۔

شیخ کی درجنوں کتابیں ہیں جو عوام وخواص کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنی ہوئی ہیں۔ ان میں ایک ''مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' بھی ہے جس میں اصلاح، اخلاق اور انسانیت کی بیش قیمت باتیں موجود ہیں ، ان میں سے کچھ منتخب مکتوبات کا خلاصہ پیش ہے:

ہمارا شمار کس میں ہے؟

شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: کامیاب اور ناکام زندگی کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ انسان دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے مالدار ہو۔

۲۔ دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے فقیر ہو۔

۳۔ دنیا کے اعتبار سے تو فقیر ہو مگر آخرت کے اعتبار سے مالدار ہو۔

۴۔ دنیا کے اعتبار سے مالدار ہو مگر آخرت کے اعتبار سے فقیر ہو۔

دنیا وآخرت کے اعتبار سے مالدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی دنیوی زندگی میں انسانی معاشرے کے لحاظ سے دولت وثروت والا ہو ،سلطنت وحکومت والا ہو اور آخرت کے لیے بھی اس کے پاس اعمال صالحہ کا معقول ذخیرہ ہو، یعنی متقی و پرہیز گار ہو، شریعت کے احکام کا حد درجہ پابند ہو اور موت کے وقت اپنا ایمان سلامت لے گیا ہو۔

دنیوی اعتبار سے فقیر اور آخرت کے اعتبار سے مالدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو بظاہر اس کے پاس مال و دولت نہ ہو اور اس کی زندگی فاقہ میں گزر رہی ہو مگر آخرت کے اعتبار سے نیک ، صالح اور صاحب تقویٰ ہو، نیز اس کا خاتمہ بالخیر ہوا ہو، تاکہ جنت کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دیدار الٰہی سے بھی مشرف ہو سکے۔ بقیہ دو قسموں کو بھی اسی طرح قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اب مذکورہ تقسیم کے اعتبار سے ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہمارا شمار کس میں ہے، اگر ہمارا شمار اول اور دوم میں ہے تو بہت خوب اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو ابھی بھی وقت باقی ہے ، ہمت کریں اور آگے بڑھیں۔ اللہ بہتر مدد فرمانے والا اور کام بنانے والا ہے:

نِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَنِعۡمَ النَّصِیۡرُ۔ (مکتوب:۱۶)

ترجمہ: کیا ہی اچھا مددگار اور بہتر کام بنانے والا ہے۔

برا گمان نہ کرو

شیخ محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: خاص بندوں کی دو قسمیں ہیں: ۱۔مقرب ۲۔ابرار

''مقرب'' بندے وہ ہیں جن کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی ، وہ خود کو اللہ کے قبضہ واختیار میں دے دیتے ہیں، جب کہ'' ابرار'' وہ نیک بندے ہیں جو ابھی مکمل طور پر اپنے ارادہ واختیار سے باہر تو نہ ہو سکے ہوں مگر اللہ کے بنائے ہوئے حدود اور

دائرے سے بھی ذرہ برابر منحرف نہ ہوں۔

ان کی علامت یہ ہے کہ ان کی تمام تر توجہات اللہ تعالیٰ کی طلب میں یا اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی طلب میں منحصر ہوتی ہے۔ یہ کسی بھی معاملے میں اور کسی بھی حال میں غیر اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ،نہ قبول میں نہ رد میں ۔یہ نیک بندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خود کو عاجز اور بے بس سمجھتے ہیں اور اپنے سوا تمام مخلوقات کو خود سے بہتر تصور کرتے ہیں۔

مزید ظاہری اسباب کے نہ ہونے کی صورت میں بھی مضطرب اور پریشان نہیں ہوتے، بلکہ خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کی مشیّت اور مرضی کے ساتھ راحت وسکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ وہ نیک بندے ہیں جن پر لعن طعن کرنا یا انھیں برا بھلا کہنا تو دور کی بات ہے، ان کے بارے میں برا گمان کرنا بھی درست نہیں: لَا تَظُنُّوْا فَاِنَّ اَكْثَرَ الظَّنِّ اِثْمٌ عَظِيْمٌ۔ (مکتوب:۷)

ترجمہ: گمان نہ کرو، کیونکہ زیادہ گمان کرنا بڑا گناہ ہے۔

نجات کا دارومدار

شیخ دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: بندے کی نجات دو چیزوں پر موقوف ہے:

۱۔احکام الٰہی کی تعظیم ۲۔مخلوق پر شفقت

احکام الٰہی کی تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی حلال وحرام کے احکام لے کر تشریف لائے ، ان کی مکمل رعایت کی جائے۔ یہ اس طور پر ہو کہ فرائض اور واجبات کی پابندی ہو اور محرمات وممنوعات سے مکمل پرہیز (ان میں حرام چیزوں سے دور رہنا مقدم ہے)، کیونکہ پرہیز کے بغیر کوئی نیک عمل مفید نہیں، بلکہ یہ ایک شیطانی فریب ہے جو انسان کے اندر غرور، گھمنڈ اور تکبر پیدا کرتا ہے۔

جب کہ مخلوق پر شفقت کا یہ معنی ہے کہ بندہ اپنی طرف سے کسی انسان کو ذرہ برابر تکلیف نہ پہنچنے دے، نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے، بلکہ ہر لمحہ لوگوں تک سلامتی پہنچاتا رہے۔ بالخصوص مسلمانوں (جو قابل احترام اور لائق تعظیم ہیں) میں سے کسی کے اندر اگر ہزارہا عیوب بھی ہوں تو ان سے چشم پوشی کی جائے، ان کے وقار وعزت کو ٹھیس نہ پہنچایا جائے، انھیں حقیر نہ سمجھا جائے، بلکہ ہر وقت ان کی خاموش اصلاح کی جائے، اگرچہ وہ گمراہی کے غار ہی میں کیوں نہ پڑے ہوں اور یہ ساری چیزیں محض رضائے الٰہی کی نیت سے ہوں: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوٰى۔ (مکتوب:۳۳)

ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔

کامل ترین شکر

شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اتنی زیادہ نعمتیں عطا کی ہیں کہ انھیں شمار نہیں کیا جا سکتا: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اور اگر تم اللہ کی نعمت شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے) اور یہ ساری نعمتیں ان کی کثرت اور بقا سب شکر کی وجہ سے ہے۔ نعمت پانے کے بعد جب بندہ شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مزید عطا کرتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ (اگر تم نے شکر ادا کیا تو تمھیں اور دوں گا)

شکر کے مختلف طریقے ہوتے ہیں، بالخصوص تمام عبادات، جیسے: روزہ، حج ، زکوٰۃ اور خیرات وصدقات وغیرہ شکر کے بہترین طریقے ہیں۔ جو مال و دولت اور طاقت وقوت اللہ

نے بخشی ہے، ان اعمال صالحہ کے ذریعے اس کا شکر ادا کیا جاتا ہے مگر سب سے کامل ترین شکر نماز ہے کہ بندہ ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے کَأَنَّكَ تَرَاہُ (گویا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو) کا مکمل مظہر بن کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے۔ اگر کوئی اس کیفیت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کے سوا نہ کچھ دیکھے، نہ سنے اور نہ ہی خیالات میں کوئی دوسرا تصور قائم کرے، اس کے تصور میں شروع سے آخر تک بس اللہ ہی اللہ ہو تو یہ نماز کامل ترین شکر ہے اور ایسا نمازی کامل ترین شکر گزار ہے مگر ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے: وَقَلِيلٌ مِنۡ عِبَادِيَ الشَّكُورُ۔ (اور میرے شکر گزار بندے کم ہیں) اس لیے اللہ تعالیٰ کے حکم: وَاشۡكُرُوۡلِي وَلَاتَكۡفُرُوۡنَ (اور میرا شکر ادا کرو ناشکری نہ کرو) کے مطابق ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیے تا کہ ہم بھی اس کے کامل شکر گزار بندوں میں شمار کیے جاسکیں: وَأَنۡ لَيۡسَ لِلۡإِنۡسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔ (مکتوب:۲۶)

ترجمہ: اور انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔

آرام کا طالب کوشش کرے

شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: اس دنیا میں کسی کو لمحہ بھر کے لیے آرام نہیں۔ جو بھی انسان وجود میں آیا وہ مصائب وآلام کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی آرام چاہتا ہے تو اسے اس حالت میں پلٹنا ہوگا جس حالت میں وہ اپنی پیدائش سے پہلے تھا: لَا رَاحَةَ إِلَّا فِي الۡقِدَمِ أَوِ الۡعَدَمِ۔

ترجمہ: قدم یا عدم کے سوا کہیں آرام نہیں۔

اس حالت میں پلٹنے کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ خلق سے اپنے آپ کو فنا کر دینا، یہ اس طور پر ہو کہ اس کا ہونا نہ ہونا، اس کی تعریف و تذلیل اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا؛ سب برابر ہو جائے۔

۲۔ نفسانی خواہشات سے فنا ہو جانا، یہ اس طور پر ہو کہ ظاہر و باطن، خلوت وجلوت اور فرحت و رنج (باعتبار انسانی سماج) تمام صورتوں میں نفس؛ شریعت کا اس طرح پابند ہو جائے کہ ذرہ برابر اس کے خلاف عمل نہ کرے: لَا يُؤۡمِنُ أَحَدُكُمۡ حَتّٰى تَكُوۡنَ هَوَاهُ تَبۡعاً لِمَا جِئۡتُ بِهٖ۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو۔

۳۔ اپنے تمام ارادہ اور خواہش سے فنا ہو جانا، یہ اس طور پر ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا و دیدار کے سوا کوئی دوسرا قصد وارادہ ہو اور نہ کوئی دوسری خواہش۔

بندہ جب فنا کے ان تینوں درجوں کو طے کر لیتا ہے تب اسے آرام کی چاشنی نصیب ہوتی ہے: هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّي۔ (یہ ہے میرے رب کا فضل) ہے کوئی جو آرام طلب کرے؟ اگر ہاں! تو کوشش کرے: مَنۡ جَدَّ وَجَدَ۔ (مکتوب:۴۴)

ترجمہ: جس نے کوشش کی اس نے پالیا۔

سچا طالب کون؟

شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: سچے طالب کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ اپنے تمام گناہوں سے تائب ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ تُوۡبُوۡا إِلَى اللهِ ہمیشہ اس کا شعار ہو۔ پھر یہ کہ شرعی حلال وحرام کے احکام پر سختی سے کاربند ہو۔ مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا (رسول کریم جو تمھیں دیں اُسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے، رک جاؤ) سے کبھی بھی غافل نہ ہو۔ ہر معاملے میں رجوع الی اللہ اس کی عادت میں شامل ہو

اور سچی بات تو یہ ہے کہ سچا طالب صحیح معنوں میں وہی ہے جسے مطلوب اور مقصود کا حاصل کرنا دنیاوی عقلا، حکما اور دانشوران مل کر مشکل قرار دیں تو بھی وہ اس مقصود کی جستجو و تلاش میں مصروف رہے اور اس کے شوق کی آگ ذرہ برابر بھی مدھم نہ ہونے پائے۔ کاش! ہماری بھی طلب ایسی ہوتی:

اے میرے رب! میری مدد فرما۔ (مکتوب:۱۸)

شیخ کے بغیر کوئی چارہ نہیں

شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: دنیا میں موجود انسان کسی نہ کسی اعتبار سے شیخ کا محتاج ہوتا ہے، کیونکہ اس کی رہنمائی کے بغیر انسان جو بھی قدم اٹھائے گا غلط اٹھے گا۔ ایک جاہل انسان جو علم کا خواہاں ہو، اسے ایک ایسے استاذ شیخ کی ضرورت ہے جو اس کو بے علمی سے بچا کر صحیح تعلیم دے سکے۔

ایک عقلمند شخص جو بذات خود دین کی سمجھ حاصل کر سکتا ہو یا کر چکا ہو اور ایک حد تک شریعت کا پابند بھی ہو، اسے بھی ایک ایسے شیخ تربیت کی ضرورت ہے جو اس کو عمل میں اخلاص اور استقامت کا طریقہ بتا کر صراط مستقیم پر گامزن رکھ سکے۔ نیز ایک عالم باعمل جو اللہ کی رضا اور اس کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو (جو ہر انسان کا مقصود اصلی ہے)، اسے بھی ایک ایسے شیخ کی ضرورت ہے جو راہ معرفت کی تمام مصیبتوں اور سہولتوں کا جاننے والا ہو۔ خود راہ سلوک میں کامل و مکمل ہو اور دوسروں کو بھی ہر طرح کی پریشانیوں سے بچا کر بہ آسانی عارف بنا سکتا ہو، کیونکہ شیطان نے اپنے مکر و فریب سے اس راہ کو اتنا پر خطر بنا دیا ہے کہ ایک ساعت کی غفلت بندے کو اس راہ سے اتنی دور لے جاتی ہے جہاں سے پلٹنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہاں! یہ بات اور ہے کہ شیخ کامل و مکمل کی صحبت اور اللہ کی رحمت ہر ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ۔ (مکتوب:۱)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔)

صبر

شیخ دہلوی فرماتے ہیں کہ: جو انسان صلاح و تقویٰ کا راستہ اختیار کرتا ہے، اسے بے شمار مصیبتوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ بالخصوص انسانی ایذا رسانی سے تو ہرگز چھٹکارا نہیں۔ زیادہ تر لوگ سامنے تعریف اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے سے، بلکہ سرعام گمراہ کہنے سے بھی نہیں چوکتے، ایسی صورت میں حق پرست آدمی کو چاہیے کہ لوگوں کے ظلم و ستم اور ایذا و تکلیف کی ان دیکھی اور ان سنی کر کے خاموشی اختیار کر لے اور مکمل طور پر وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا (اور لوگوں کے کچھ کہنے پر صبر کرو اور انھیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دو) کی تصویر بن جائے، کسی کے لیے بد دعا نہ کرے، نہ کسی سے بد کلامی کرے، نہ دل سے اور نہ زبان سے، بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو عاجز و کمتر جانے اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا رہے اور یہ بات بھی ہمیشہ ملحوظ رہے کہ اگر میں برا نہیں تو کسی کا برا کہنا، اللہ کے حضور میرے لیے نقصان کا باعث نہ ہوگا اور اگر برا ہوں تو کسی کا اچھا کہنا بھی کچھ فائدہ نہ دے گا، بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ بندوں کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں پر شکر بجا لایا جائے، کیونکہ ان کی وجہ سے مرتبہ بلند ہوتا ہے، مگر بشری کمزوری کی وجہ سے حوصلہ اور ہمت پست ہو چکی ہے، ایسی حالت میں اگر شکر نہ بجا لائے تو کم از کم صبر ہی کر لے: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ۔ (مکتوب:۶۳)

ترجمہ: اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

✲✲✲

محمد مدثر رضا مصباحی

بدگمانی گناہ ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ، اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔ (حجرات:۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت زیادہ بدگمانیوں سے بچو، یقین جانو کہ بعض بدگمانی گناہ ہے۔

مفسر قرآن قاضی محمد ثناءاللہ پانی پتی قدس سرہٗ تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ظن کی چند قسمیں ہیں:

۱۔ وہ ظن جس کی اتباع واجب ہے، جیسے: اللہ اور مسلمان مردوں، عورتوں کے متعلق اچھا گمان رکھنا۔

۲۔ وہ ظن جس کی اتباع حرام ہے، جیسے: مؤمن مردوں، عورتوں کے متعلق برا گمان رکھنا۔

۳۔ اِن دونوں ظنوں کے علاوہ بعض امور کے متعلق گمان کرنا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زیادہ گمان کرنے سے احتیاطاً بچنے کا حکم دیا ہے۔ (تفسیر مظہری، ج:۹، ص:۳۱)

چنانچہ مومن بندوں کو بدگمانیوں سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ کبھی کبھی اس طرح کے گمان گناہ میں شمار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّ زُیِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۔ (فتح:۱۲)

ترجمہ: بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ اب رسول اور مومنین کبھی بھی اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے اور یہی گمان تمہارے دلوں میں خوش نما بن گیا تھا، حالانکہ تم نے بہت برا گمان کیا تھا اور تم ہلاک ہونے والے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کا بیان فرمایا ہے جنھوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے بارے میں ہتھیاروں کے بغیر جانے کی وجہ سے برا گمان کیا تھا کہ یہ لوگ اپنے گھروں کی جانب کبھی بھی لوٹ کر نہ آسکیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے برے گمان کی تردید کی اور انھیں ہلاک ہونے والی قوم قرار دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ۔ (نور:۱۲)

ترجمہ: ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس بات کو سنا تو مومن مرد وخاتون اپنوں پر نیک گمان کرتے اور یہ کہتے کہ یہ تو صاف صاف بہتان ہے۔

جب منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائی تھی تب اللہ نے پھٹکار لگاتے ہوئے فرمایا: ایمان کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ان پر لعن طعن کے بجائے اچھا گمان کرتے اور کہتے کہ یہ تو واضح بہتان ہے۔

بدگمانی سے پرہیز کرنے کی تلقین اور حسن ظن رکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِیْثِ۔

(بخاری، تعلیم الفرائض)

ترجمہ: تم لوگ برے گمان سے بچو، کیونکہ بدگمانی نہایت

جھوٹی بات ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

وَقَدْ کَرِہَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظَّنَّ۔

(بخاری، کتاب الشہادۃ)

ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدگمانی کو ناپسند فرمایا ہے۔

امام محمد غزالی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

شیطان آدمی کے دل میں بدگمانی ڈالتا ہے، چنانچہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ شیطان کی تصدیق نہ کرے اور اس کو خوش نہ کرے، حتی کہ اگر کسی کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو تو بھی اس پر حد لگانا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایسا احتمال ممکن ہے کہ اس نے شراب کا ایک گھونٹ پی کر کلی کر دی ہو، یا کسی نے اس کو جبراً شراب پلا دی ہو تو وہ دل سے بدگمانی کی تصدیق کر کے شیطان کو خوش نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر مسلمان کے خون، اس کے مال اور اس کے متعلق بدگمانی کو حرام کر دیا ہے، اس لیے جب تک وہ خود کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے یا اس پر دو نیک گواہ قائم نہ ہو جائیں اس وقت تک کسی بھی مسلمان کے متعلق بدگمانی کرنا جائز نہیں ہے۔

پھر جب اس طرح نہ ہو اور شیطان تمہارے دل میں کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی کا وسوسہ ڈالے تو تم اس وسوسہ کو دور کرو اور اس بات پر قائم رہو کہ اس کا حال تم پر پوشیدہ ہے اور اس شخص کے حق میں نیکی پر قائم رہنے اور گناہ سے باز رہنے کی دعا کرو اور شیطان کو ناکام اور نامراد کر کے اس کو غضب میں لاؤ۔ (احیاء العلوم، ج:۳، ص:۱۳۵)

حافظ یوسف بن عبداللہ مالکی لکھتے ہیں:

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خون، عزت اور جان کو حرام کر دیا ہے اور فرمایا:

مسلمانوں کے متعلق خیر کے سوا اور کوئی گمان نہ کیا جائے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کسی مسلمان شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کوئی بات سن کر اس کے متعلق بدگمانی کرے، جب کہ اس کی بات کا کوئی نیک معنی نکل سکتا ہو۔

حضرت سفیان نے کہا کہ ظن کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ ظن جس میں گناہ ہے۔

۲۔ وہ ظن جس میں گناہ نہیں ہے۔

جس ظن میں گناہ ہے، وہ ظن یہ ہے جس کے بارے میں یہ کلام کیا جائے کہ فلاں عمل گناہ ہے اور جس ظن میں گناہ نہیں ہے، یہ وہ ظن ہے جس کے بارے میں یہ کلام نہ کیا جائے۔ (التمہید، ج:۷، ص:۲۱۰-۲۱۱)

ان آیات قرآنیہ، احادیث کریمہ اور علمائے اسلام کی باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ بدظنی اور بدگمانی نہایت بری اور ذلیل چیز ہے۔ جس کی وجہ سے سماج و معاشرے میں نفرت و دشمنی اور فتنہ و فساد جیسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جب کہ نیک گمان اور حسن ظن کی وجہ سے معاشرے میں اصلاح اور محبت واخوت کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے بارے میں برا گمان رکھنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔

اللہ ہم سب کو بدگمانی سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

٭٭٭

شاہد حسن نظامی

نیت میں اخلاص کی ضرورت

نیت ایک ایسی چیز ہے جس پر انسان کے تمام اعمال کی بنیاد ہے، اگر انسان کی نیت بری ہے تو حلال اور جائز اعمال جو بھی وہ کرے گا وہ برا عمل کہلائے گا اور اگر انسان کی نیت اچھی ہو تو جائز اعمال جو بھی وہ کرے گا وہ اچھا عمل کہلائے گا۔ رہ گئی بات ناجائز اور حرام اعمال کی تو ان کے بارے میں نیت چاہے اچھی ہو یا بری وہ ہر صورت میں برا عمل ہی کہلائے گا۔ غرض کہ تمام اعمال کا دار و مدار انسان کی اپنی نیت پر ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان بظاہر عمل اچھا کرتا ہے لیکن نیت درست نہ ہونے کے سبب اس کا عمل فائدہ نہیں دیتا۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔ (بخاری، بدأالوحی)

ترجمہ: اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے عمل کا بدلہ وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی تو جس شخص کی ہجرت دنیا کے لیے ہے کہ وہ اس کو حاصل کرے یا کسی عورت کے لیے ہے کہ وہ اس سے نکاح کرے، چنانچہ اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر ہجرت کی وہ بھی مہاجر ہے اور جس نے طلب دنیا اور طلب عورت کے لیے ہجرت کی وہ بھی مہاجر ہے لیکن ان دونوں کی ہجرت میں جو چیز واضح فرق کرتی ہے وہ ہے نیت، جس کی بنیاد پر ثواب کا دار و مدار ہے۔ یہی حال ہم میں سے اکثر لوگوں کے اعمال کا ہے کہ ہمارے اعمال تو بظاہر عبادت کی شکل اختیار کیے ہوئے ہیں مگر نیت میں نقص ہونے کی وجہ سے ان اعمال کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

سر دست نماز ہی کو لے لیجیے جو مذہب اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے، اگر کوئی آدمی پابندی سے نماز ادا کرتا ہے تو یہ بظاہر بہت ہی نیک عمل ہے لیکن اگر اس کی نیت یہ ہو کہ لوگ اسے نمازی کہیں یا لوگ نماز کی وجہ سے اس کی تعظیم کریں تو پھر اس بری نیت کی وجہ سے اس کا یہ عمل نیکی میں شمار نہ ہوگا اور نہ اس پر اسے کوئی ثواب ملے گا، بلکہ ریا کاری اور نام و نمود کے طور پر نماز ادا کرنے والے کے لیے دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللهَ إِلَّا قَلِيلًا، مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا إِلٰى هٰؤُلَاءِ وَلَا إِلٰى هٰؤُلَاءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا۔ (نسا: ۱۴۳)

ترجمہ: اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو ہارے ہوئے من سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا، بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں کہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے اور جسے اللہ گمراہ کرے تو اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا۔

یہی حال اللہ کی راہ میں خیرات کا بھی ہے کہ انسان اپنی محنت اور مزدوری کے ذریعے مال کماتا ہے، بسا اوقات مال

کے لیے اپنے اعزا و اقربا اور گھر بار سب کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں یا اپنے وطن سے دور کسی دوسری جگہ جا کر پریشانیوں کو جھیلتے ہوئے زندگی گذارتا ہے، تب جا کر کہیں دولت ہاتھ آتی ہے۔لیکن اس کے باوجود مال کو غلط طریقے سے خرچ میں کرتا ہے۔کاش! انسان نیک نیت کے ساتھ اپنی دولت کو خرچ کرتا، تاکہ اس مال کے بدلے اللہ کی رضا حاصل ہوجاتی، مثلاً: اگر کوئی مال کو اپنے بچوں پر خرچ کر رہا ہے تو نیت یہ کرلے کہ میں ان بچوں پر اپنے مال کو اس لیے خرچ کر رہا ہوں تاکہ آنے والے دنوں میں وہ دین کے وفادار اور مذہب کے پہریدار بنیں یا اگر مال کو بیوی پر خرچ کر رہا ہے تو نیت یہ کرلے کہ میں اپنی بیوی پر اس لیے خرچ کر رہا ہوں کہ وہ اس سے قوت حاصل کرے اور دینی کاموں میں میری مدد کر سکے۔ چنانچہ اگر انسان اس طریقے سے اپنا مال خرچ کرتا ہے تو یہ دنیا نہیں بلکہ دین ہے اور شر (برا) نہیں بلکہ خیر (اچھا) ہے۔لیکن اگر نیت میں ذرہ برابر بھی فرق آیا اور اس کی نیت رضائے الٰہی سے ہٹ کر ریا ونمود کی طرف ہوئی تو پھر انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اعمال جنھیں وہ خیر سمجھتا ہے خیر نہیں ہے بلکہ اب یہی اعمال اس کے لیے دردناک عذاب اور وبال جان ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن عمل میں اخلاص نہ ہونے کی بنا پر سب سے پہلے جن تین لوگوں کے خلاف فیصلہ ہوگا ان میں سے ایک شہید ہوگا، اُسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اللہ اس پر اپنی نعمت پیش کرے گا وہ بندہ اللہ کی نعمت پہچان لے گا اور اس کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، بتا! اس نعمت کے شکریے کے طور پر تو نے کیا عمل کیا؟ وہ جواب دے گا میں نے تیری راہ میں خالص تیرے لیے کافروں سے جہاد کیا، یہاں تک کہ میں نے اپنی جان دے دی۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے یہ کام میری رضا کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ تو نے مخلوق کو دکھانے کے لیے ایسا کیا تاکہ تجھے لوگ دلیر اور بہادر کہیں۔یہ بات تیرے حق میں کر دی گئی، پھر فرشتوں کو حکم ہوگا تو فرشتے اسے منھ کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جائیں گے۔

دوسرا وہ شخص جس نے علم حاصل کیا پھر دوسروں کو سکھایا اور قرآن پاک کی تلاوت کی، اُسے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی اپنی نعمتیں پیش کرے گا وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا اور ان کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ ان نعمتوں کی شکر گزاری میں تو نے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے علم حاصل کیا، دوسروں کو علم سکھایا اور خالص تیری رضا کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کی۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے، تو نے علم اس لیے حاصل کیا تاکہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لیے تلاوت کی کہ لوگ تجھے قاری کہیں۔لوگوں نے تجھے عالم اور قاری کہہ دیا، پھر فرشتوں کو حکم ہوگا تو فرشتے اُسے منھ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔

تیسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال ودولت میں کشادگی عطا فرمائی، اُسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا وہ بھی انھیں پہچان لے گا اور ان کا اعتراف کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کی شکر گزاری کے طور پر کیا عمل کیا؟ وہ بندہ عرض کرے گا کہ میں نے کوئی ایسا راستہ اور مصرف نہیں چھوڑا جس میں تیری خوشنودی کے لیے مال خرچ نہ کیا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، درحقیقت یہ کام تو نے اس لیے کیا تاکہ لوگ

تجھے سخی کہیں، پھر اس کے بارے میں بھی فرشتوں کو حکم ہوگا تو فرشتے اُسے بھی گھسیٹتے ہوئے لے جائیں گے اور وہ دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم)

اس حدیث مبارک کو بار بار پڑھیں اور جواب دیں۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حاصل کرنے اور علم سکھانے والے کو سب سے بہتر نہیں کہا؟ جہاد فی سبیل اللہ کے فضائل سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟ کیا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے؟ اس کے باوجود انھیں جہنم میں کیوں داخل کیا جائے گا؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ان لوگوں کی نیت درست نہیں ہوگی اور وہ اپنی طاعت وعبادت میں مخلص نہیں ہوں گے۔ یہ لوگ بظاہر طاعت و عبادت میں لگے ہوں گے لیکن ان کا دل نام ونمود کی طرف مائل ہوگا جس کی وجہ سے ان کے اعمال برباد ہوجائیں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم بنے گا۔

ایک شبہ کا ازالہ

معاصی (گناہ والے اعمال) کا حال یہ ہے کہ نیت کی وجہ سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے اگر کوئی کم سمجھ رکھنے والا حدیث انما الاعمال بالنیات سے یہ مفہوم سمجھ بیٹھے کہ نیت کی وجہ سے گناہ والا عمل بھی عبادت بن جاتا ہے تو یہ محض اس کی غلط فہمی ہے، مثلاً: کسی شخص کی دل جوئی کے لیے کوئی کسی دوسرے شخص کی غیبت کرے یا کسی دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی فقیر کو کھلادے یا مدرسہ یا مسجد یا سرائے کی تعمیر کروائے اور نیت اچھی رکھے کہ اس سے صاحب مال کو ثواب ملے گا تو یہ باتیں ناسمجھی پر مبنی ہیں۔ اولاً تو اس لیے کہ اس نے صاحب مال سے اجازت نہیں لیا اور مجرم ہوا۔ دوم اس لیے کہ اپنے اس غلط عمل کو ثواب کا ذریعہ سمجھا۔ چنانچہ جو افعال حرام ہیں حرام ہی رہیں گے، صرف اچھی نیت کر لینے سے برے اعمال کا برا ہونا ختم نہیں ہوگا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے خلاف، کسی ناجائز فعل کو اچھی نیت سے کرنا، یہ خود ایک برائی ہے کہ ایسا کرنے سے گناہ ہوگا، اس لیے اگر جان بوجھ کر کوئی ایسا کرتا ہے تو گنہ گار ہوگا اور ایسا اگر انجانے میں کرتا ہے تو پھر وہ اپنی بے علمی کی وجہ سے گنہگار ٹھہرے گا، کیونکہ ہر مسلمان پر طلب علم فرض ہے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ میں صرف حلال اور جائز اعمال شامل ہیں، رہے حرام اور ناجائز اعمال تو وہ ہر حال میں برے ہیں چاہے وہ اچھی نیت ہی کے ساتھ کیوں نہ کیے جائیں، اس لیے انھیں اس حدیث کے مصداق سمجھنا گمراہی ہے۔

٭٭٭

السعی منی والشفاء من اللہ

یونانی دواؤں کے ذریعے پیچیدہ و کہنہ امراض کا تشفی بخش علاج کے لیے رابطہ کریں:

حکیم سرفراز حسین

امام سنی جامع مسجد، چھڑا بازار، مین روڈ
دھاراوی ممبئی-17
موبائل: 09819291874

جہانگیر حسن مصباحی

ساس- بہو مل کر گھر کو جنت بنا سکتی ہیں

اللہ تعالیٰ نے خواتین کو نہ صرف گھر کی زینت اور دلی سکون کے لیے پیدا کیا ہے، بلکہ انھیں سماج کا ایک اہم حصہ قرار دیا ہے- ان کے بغیر خوبصورت اور پاکیزہ انسانی معاشرہ کا خواب ادھورا ہے۔

لیکن آج خواتین کے آپسی رشتوں کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال کے اس مصرعے پر یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ: ؎

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

خواتین جنھیں ہم مختلف پاک رشتوں سے یاد کرتے ہیں جیسے ماں، بیٹی، بہن وغیرہ، جب ساس اور بہو کی شکل میں ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں تو اس کے بجائے کہ آپس میں ایک دوسرے کی قدر کریں، ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آئیں اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کا برتاؤ کریں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں اپنی تمام تر قوتیں لگا دیتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نہ تو وہ خود چین سے رہتی ہیں اور نہ ہی اپنے احباب و اقارب کو ہی سکون سے رہنے دیتی ہیں۔ جب کہ دوسروں پر ظلم کرنا، انھیں رسوا کرنا اور کمتر سمجھنا نہ صرف سماجی و معاشرتی اعتبار سے سخت نقصان دہ ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى أَنْ يَّكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِسَاءٍ عَسٰى أَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ۔ (حجرات:١١)

ترجمہ: کوئی مرد کسی مرد کا مذاق نہ اڑائے ہوسکتا ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جائے وہ مذاق اڑانے والے سے بہتر ہو اور کوئی خاتون کسی خاتون کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ جس خاتون کا مذاق اڑایا جا رہا ہو وہ مذاق اڑانے والی خاتون سے بہتر ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ۔ (مسلم، تحریم الظلم)

ترجمہ: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے تو نہ اس پر کوئی ظلم کرے، نہ کوئی اس کو شرمسار کرے اور نہ کوئی اس کو کمتر اور حقیر جانے۔

یہاں لفظ مسلمان میں مرد اور خاتون دونوں شامل ہیں۔ اب اگر اس حدیث کی نسبت خواتین کی جانب کریں تو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلم خاتون، مسلم خاتون کی بہن ہے تو نہ کوئی خاتون، دوسری خاتون پر ظلم کرے اور نہ کوئی خاتون، دوسری خاتون کو رسوا کرے اور نہ کوئی خاتون کسی دوسری خاتون کو کمتر جانے۔

اس کے باوجود اگر کوئی خاتون کسی خاتون کی بے عزتی کرتی ہے، اس کو ستاتی ہے یا اس پر کسی بھی طرح سے ظلم کرتی ہے تو کل قیامت میں اس سے سخت باز پرس ہوگی۔ اب چاہے یہ ظلم ساس کی جانب سے بہو پر ہو یا بہو کی جانب سے ساس پر، بہر صورت پکڑ ہوگی۔

اسی طرح ساس اور بہو ایک دوسرے کی برائی اور غیبت کرنے میں بھی پیچھے نہیں رہتی ہیں بلکہ تل کا پہاڑ بنا دیتی ہیں، ایک دوسرے کے عیوب کو چٹخارے لے لے کر بیان کرتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کرتیں، جب کہ قرآن کریم میں نہ صرف غیبت کی ممانعت آئی ہے، بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ غیبت کرنا گویا مردار کا گوشت کھانا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا۔ (حجرات:١٢)

ترجمہ: اور کوئی شخص کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے

کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے۔

یونہی ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۔
(حجرات:۱۱) ترجمہ: اور ناموں کو نہ بگاڑو۔

موجودہ حالات پر نظر ڈالیں تو ساس اور بہو کے مسائل سلجھنے کے بجائے الجھتے ہی جا رہے ہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے اسلامی تعلیمات سے روشنی حاصل نہ کرنا، مثلا: خواتین کے دلوں کا پاکیزہ نہ ہونا، اخلاقی تربیت سے دور ہونا، نیز ان کے دلوں میں حکمرانی اور حسد جیسے جذبات کا بڑھنا اور یہ جذبہ اس وقت شدید تر ہو جاتا ہے جب کسی ساس کے گھر کوئی خاتون بہو کی شکل میں داخل ہوتی ہے۔ القصہ آج ساس بہو کے جھگڑے اتنے عام ہو گئے ہیں کہ شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جو اس وبا کی زد میں نہ ہو۔

سوال یہ ہے کہ اس جھگڑے کا ذمے دار کون ہے؟

میرے خیال میں اس کی اصل ذمے دار خود خواتین ہیں۔

ہاں! اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ والدین اور گھر کے بڑے بزرگ بھی اس جھگڑے کے براہ راست نہیں تو بالواسطہ ذمے دار ضرور ہیں۔

لیکن سر دست میں صرف ساس اور بہو کے مثبت و منفی رویے پر گفتگو کروں گا جو اُن کے درمیان جھگڑے کی اصل بنیاد ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ساس اور بہو کے آپسی تعاون ہی سے ان مشکلات سے نبٹا جا سکتا ہے۔ ورنہ دنیا لاکھ چاہ لے کہ ساس اور بہو کی الجھنیں سلجھ جائیں، سلجھ نہیں سکتیں جب تک کہ ساس اور بہو خود اس مسئلے کو سلجھانا نہ چاہیں۔

ساس اور بہو کے درمیان تعلقات خراب رہنے کے متعدد اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ مانا جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی ماتحتی قبول کرنے کے لیے راضی نہیں ہوتی، بلکہ حد تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے غیر انسانی سلوک کرنے سے بھی نہیں چوکتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں عاجزی اور انکساری سے کام نہیں لیتیں اور ہمیشہ غرور و گھمنڈ میں چور رہتی ہیں۔

اسی طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپسی فتنہ و فساد سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے اور جھگڑا کو شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ۔ (اسرا:۵۳)

ترجمہ: بے شک شیطان انسانوں کے درمیان جھگڑا پیدا کرتا ہے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

ساس اور بہو کی نااتفاقیوں کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ساس اپنی بہو کو محض پرائے گھر کی بیٹی مانتی ہے اور بہو سے ہر وہ کام بھی لینے کو جائز مانتی ہے جو کام وہ اپنی بیٹی سے کسی بھی قیمت پر کرانا پسند نہیں کرتی۔ اس کے باوجود اگر بہو سے کچھ غلطی ہو گئی تو نظر انداز کرنے کے بجائے اس پر لعنت ملامت کرنے لگتی ہے، جب کہ دوسری جانب اگر اس کی اپنی بیٹی بڑے سے بڑا نقصان بھی کر دے تو اسے بچی سمجھ کر ٹال دیتی ہے یا پھر صبر و ضبط سے کام لے لیتی ہے، یہ جذبہ بھی اسلام کے جذبۂ عدل و انصاف کے خلاف ہے، چنانچہ ایسے موقع پر یہ حدیث یاد رکھنی چاہیے کہ: جو بڑوں کی عزت نہیں کرتا اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

اگر ایک ساس۔ بہو اپنے اپنے معاملے میں عدل و انصاف کا رویہ قائم رکھے، یعنی: ساس بہو پر شفقت کرے اور بہو ساس کی تعظیم کرے تو بہت سی آپسی ناچاقیوں اور نااتفاقیوں سے بچا جا سکتا ہے۔

ساس۔ بہو میں من مٹاؤ کے بنیادی اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ دونوں اپنے اپنے حقوق حاصل کرنے کی کوشش میں یہ بھول جاتی ہیں کہ ساس۔ بہو کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کا ادا کرنا ایک دوسرے پر لازم و ضروری ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال نہیں رکھ پاتیں۔

جب کہ اللہ اوراس کے رسول صلی الہ علیہ وسلم نے ہر انسان کےحقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔حدیث شریف میں ہے:

أَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ. (معجم کبیر، وہب بن عبداللہ)

یعنی ہرحق دارکواس کا حق ادا کرو۔

ایسے موقع پر اگرحق والاحق نہ ملنے کی صورت میں اللہ کے لیےصبر کرے اورحق ادا کرنے والاحق کی ادائیگی کے تعلق سے اپنی ذمے داری کو سمجھ لےتو دونوں نہ صرف ایک پرسکون زندگی گزار سکتے ہیں بلکہ اللہ کی رضا بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ درج ذیل کچھ باتوں کو دھیان میں رکھا جائےتو ساس۔ بہوکی بہت سی پریشانیاں دور ہوسکتی ہیں، جیسے:

ا۔ساس (ماں کی حیثیت سے) بیٹے پرصرف اپناحق نہ سمجھے،ایسے ہی بہو(بیوی کی حیثیت سے) شوہر پرصرف اپنا حق نہ سمجھے، بلکہ دین اسلام نے جس حدتک دونوں کے حقوق مقرر کیے ہیں اسی حدتک ہر دوخاتون بیٹا/شوہر سے اپنے اپنے حقوق کی تمنا رکھےاور اللہ کے حدود سے آگے نہ بڑھے۔

۲۔اگر بیٹا بحیثیت شوہر اپنی بیوی سے محبت رکھتا ہے تو ساس (ماں) ہرگز یہ نہ سمجھے کہ اس کا حق مارا جارہا ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یہ دھیان میں رکھے کہ:

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً۔ (روم:۲۱)

اللہ تعالیٰ نے شوہراور بیوی کے درمیان محبت رکھی ہے۔

تو پھر وہ دونوں آپس میں محبت کیوں نہ کریں گے۔اسی طرح اگرشوہر بحیثیت بیٹا اپنی ماں کی خدمت کرتا ہے تو بہو (بیوی) ہرگز دل میں یہ خیال نہ لائے کہ اس کا حق چھینا جارہا ہے، بلکہ وہ یہ یقین رکھے کہ وہ ماں کی اطاعت کرکے اللہ تعالیٰ کے حکم پرعمل کررہا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ (بقرہ:۸۳)

یعنی ماں باپ کےساتھ اچھے سے پیش آؤ۔

۳۔ بیٹے کوحق زوجیت ادا کرتے دیکھ کرساس (ماں) کو یہ کبھی نہ سوچنا چاہیے کہ اس کا بیٹا بیوی کا غلام ہے یا بیٹا، بیوی کے بہکاوے میں آ کراس کا خیال نہیں رکھے گا،ایسی صورت میں یہ یقین دل میں بسالے کہ وہ اپنی بیوی کےحقوق کی ادائیگی کرکے اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کررہا ہے، بلکہ بہتر تو ہے کہ وہ اپنی توجہ بیٹے کی طرف سے ہٹا کر اللہ کی جانب کرلے۔اسی طرح مادری حق ادا کرتے دیکھ کر بہو (بیوی) کوبھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ اس کا شوہر اپنی ماں کے قبضے میں ہےاور اپنی ماں کی باتوں میں آ کر کہیں اس کی حق تلفی نہ کردے، بلکہ وہ بھی یہ یقین رکھے کہ وہ ماں کی فرماں برداری کرکے اللہ کی بندگی کررہا ہے اورحقوق کے لیے شوہر کی جانب لولگانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی جانب لولگالے۔

۴۔ساس اپنے دل میں کبھی یہ خیال نہ لائے کہ شادی سے پہلے اس کا بیٹا جو کچھ لاتا تھاوہ میری قدموں میں ڈال دیتا تھا اب اس میں اس کی بہوبھی حصے دار بن گئی ہے، بلکہ ہر حال میں دونوں اللہ کی تقدیراوراس کی رزاقیت (روزی دینے والا اللہ ہے) پرایمان کامل رکھیں۔

۵۔ساس کبھی یہ بات بھی ذہن میں نہ لائے کہ اس کا بیٹا جو شادی سے پہلے ہر بات میں صرف اسی کے مشورے کو اہمیت دیتا تھااب اس میں بہوبھی اس کی شریک ہونے لگی ہے وغیرہ۔ بلکہ یہ یقین رکھے کہ مشورے میں جتنے زیادہ لوگ شریک ہوں گےاس میں اسی قدر برکت ہوگی۔

اب اگروہ دونوں ایک دوسرے کے لیے برے خیالات رکھتی ہیں تو یہ ایک ماں کی جانب سے بیٹے کے لیےاورایک بیوی کی جانب سےشوہر کے لیے بدگمانی ہوگی۔ جو نہ ایک ساس کے لیے(بحیثیت ماں) اچھاہے اور نہ ایک بہوکے لیے(بحیثیت بیوی) مناسب ہے۔ بلکہ مذہبی اعتبار سے بھی یہ بہت بڑا جرم ہے۔اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے:

اِجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۔

(حجرات:۱۲)یعنی زیادہ گمان سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہے۔

اس سلسلے میں بالخصوص ان خواتین کے لیے جوساس بن

چکی ہیں، ایک اور بات غور کرنے کی یہ ہے کہ جب ساس، بہو کی شکل میں آئی تھی تو کیا اس نے اپنے شوہر پر اپنا حکم چلانے کی کوشش نہیں کی تھی؟ کیا اس وقت وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ گھر کا ہر کام کاج اس کے حساب سے ہو اور ہر کام میں اس کی مرضی شامل رہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر شوہر نے کبھی گھر کا کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف کر دیا تو نہ صرف سخت ناراضگی کا اظہار کرتی تھی، بلکہ سارا آسمان سر پر اٹھا لیتی تھی تو اب جب کہ وہ بھی ایک عدد بہو کی ساس بن چکی ہے اور اس کی بہوئیں یہ چاہتی ہیں کہ ان کے شوہر نامداران بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائیں تو کیا برا کر رہی ہیں؟ کیونکہ یہ بہوئیں کوئی انہونی یا نیا کام تو انجام نہیں دے رہی ہیں بلکہ اسی کاریگری اور ہنر مندی کا مظاہرہ کر رہی ہیں جو آج کی ساس پہلے بہو کی شکل میں کر چکی ہے اور حق تو یہ ہے کہ یہ بہوئیں اپنی ساس کے نقش قدم پر چل رہی ہیں۔

اگر بہو کا یہ عمل آج کی ساس کو ناگوار اور ناپسندیدہ لگ رہا ہے تو وہ اپنی ان کارگزاریوں کا محاسبہ کرے جو اس نے اپنی ساس کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے باوجود اگر آج کی ساس یہ چاہتی ہے کہ بہوئیں اس کی عزت کریں اور اس کی خدمت کرنے میں کسی بھی طرح کی کوئی کوتاہی سے کام نہ لیں تو وہ اپنی بہوؤں کو محض بہو نہ سمجھیں، بلکہ انھیں بھی اپنی بیٹی سمجھیں اور جہاں ان پر اپنا حق سمجھتی ہیں تو اسی طرح اپنے اوپر بھی ان کا حق جانیں۔

یونہی آج کل کی بہوؤں کو بھی اپنا محاسبہ کرنا ہوگا کہ جب وہ اپنے ماں باپ کے گھر تھیں اور ان سے کبھی کوئی غلطی یا نقصان ہو جاتا تھا تو انھیں ماں باپ کی جانب سے ڈانٹ پھٹکار سننی پڑتی تھی یا پھر وہ اپنی غلطی کا احساس کر کے اپنے ماں باپ سے معافی مانگنے میں کوئی شرم وندامت محسوس نہیں کرتی تھیں، اب اگر وہ اپنے سسرال میں ہیں اور کسی غلطی یا نقصان ہونے پر ساس یا سسر نے ڈانٹ پلادی تو اس پر صبر کرنا ان کی اخلاقی ذمے داری ہے۔ اس کی وجہ سے جہاں ساس، سسر کے دلوں میں بہوؤں کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوگا وہیں دوسری طرف فتنہ اور فساد کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔

بالفاظ دیگر ساس، بہو پر شفقت ومحبت کا ہاتھ پھیرے تو بہو، ساس کی عزت و تعظیم کرے۔ آپس میں اس طرح کا سلوک کرنے سے جہاں ایک طرف ساس اور بہو کو دنیاوی بہت سارے فائدے ہوں گے وہاں دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر عمل بھی ہو جائے گا جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا، وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا۔

(کنز العمال)

ترجمہ: وہ ہم میں سے نہیں جو بڑوں کی عزت نہیں کرتا اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا۔

چنانچہ ساس اور بہو کے مسائل کے حل کے لیے نہایت سمجھ بوجھ اور ہوشیاری کے ساتھ، ساس اور بہو کے رشتوں میں پاکیزگی لانے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ رشتوں کی بنیاد اخلاص پر رکھی جائے، دلوں سے بغض وکینہ اور جلن وحسد کو دور کیا جائے، ساس کو ماں کا درجہ دیا جائے تو بہو کے ساتھ بیٹی کی طرح سلوک کیا جائے۔ ساس، بہو کو یہ احساس دلائے کہ وہ گھر کی نوکرانی نہیں بلکہ گھر کی ایک اہم فرد اور مالکہ ہے، اسی طرح بہو اپنی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری سے ساس کو یہ باور کرائے کہ وہ اس کی سگی ماں کی طرح ہیں۔

غرض کہ دلوں کی صفائی اور نیک نیتوں کے ساتھ، ساس بہو اپنے تعلقات اور معاملات کا خیال رکھیں تو کبھی کوئی ایسی بات پیش ہی نہیں آئے گی جو اُن کے درمیان ناچاقی کا سبب بن سکے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ساس۔ بہو مل جائیں تو ویران گھر بھی جنت بن سکتا ہے۔

✲✲✲

اخلاق اور ہمارا معاشرہ

اخلاق وہ صفت ہے جو ہر انسان کے صلاح وفلاح میں بنیادی کردارادا کرتا ہے۔خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور مدح اخلاق کریمانہ سے کی ہے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ ۔ (قلم:۴)

ترجمہ: آپ (صلّی اللہ علیہ وسلم) اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

بڑی بڑی جنگیں جو تلوار سے نہیں جیتی جاسکتی تھیں وہ اخلاق ہی کی بنا پر جیتی گئیں، یہ اخلاق ہی کا فیضان ہے کہ ابن آدم کو اشرف المخلوقات کا درجہ نصیب ہوا، امت مسلمہ کی شخصیت کو جانچنے کا بہترین پیمانہ اخلاق ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق بلند ہوں۔ (متفق علیہ)

اس لیے وہ قومیں جنھوں نے اپنے اخلاق وعادات کی حفاظت کی وہ ہمیشہ ترقی کی طرف گامزن رہی ہیں۔

لیکن آج ہم نے اپنے اسلاف سے پائی ہوئی اخلاقی میراث کو کھودیا ہے یا اگر ہمارے پاس موجود بھی ہے تو ہم نے اس کی اصل شکل ہی بگاڑ کر رکھ دی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ معاشرہ خستہ حالی کا شکار ہوتا جارہا ہے اور ہمارے معاشرے کے اخلاق بگاڑنے والی چیزوں میں سب سے خطرناک چیز ٹیلی ویژن ہے۔ چونکہ اس میں بڑے اور بچوں کے سامنے جرائم، چوری، ہوس پرستی اور عریانیت کے مناظر دکھائے جاتے ہیں اس سے ہمارے بچوں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔

ٹیلی ویژن میں عورتوں کی بے پردگی اور فحش گانے بجانے کو دیکھ کر ہمارا نفس آزاد ہوجاتا ہے، ہم اپنے آپ پر کنٹرول نہیں کر پاتے اور بہت سے گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔اس کی ذمے داری ہمارے قومی اداروں پر بھی ہے اور اشخاص وافراد پر بھی۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ۔ (مسلم، فضیلۃ الامام)

تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک کے بارے میں پرسش ہوگی۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے اخلاق کی تکمیل کے لیے تشریف لائے، آپ فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔ (بیہقی، مکارم الاخلاق)

ترجمہ: مجھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ۔ (بیہقی، مکارم الاخلاق)

ترجمہ: مجھے حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

آج اگر ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اخلاق نبوی سے بہت دور ہوگئے ہیں گویا گوہر اخلاق کو ہم نے دریا بُرد کردیا ہے۔

لیکن ابھی بھی وقت ہے، اگر ہم آج بھی دل سے چاہ لیں کہ ہمارے اخلاق، نبوی اخلاق کے نور سے منور ہوں تو بس ہمیں اتنا کرنا ہوگا کہ ہمارے دل کے آئینے پر جو گرد جم چکی ہے اس کو صاف کرلیں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم کسی نیک اور صالح مرد مومن کی صحبت میں بیٹھیں اور اس کی

تربیت میں رہ کر ہم ریاضت ومجاہدہ کریں تو وہ دن دور نہیں کہ ہمارے اخلاق، نبوی اخلاق کے نور سے روشن ہوں گے اور پھر ہمارے باطن میں روحانیت پیدا ہوا ٹھے گی:

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

کیونکہ اخلاق کی بلندی پر آدمی اسی وقت فائز ہوگا جب کہ وہ اپنی زندگی اور اخلاق کو سیرت نبوی اور سیرت مرشد کے سانچے میں ڈھالے گا، اگر ایسا ہوگیا تو ہماری عظمت کا تاج ہمیں نصیب ہوگا اور قوم مسلم پھر سے پوری دنیا کے لیے ایک رہنما کے طور پر ابھر کر سامنے آئے گی۔

پروردگار عالم سے دعا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو اخلاق نبوی اور تعلیمات نبوی پر ہمیشہ قائم ودائم رہنے کی توفیق دے اور اخلاقی خرابیوں سے پاک وصاف رکھے۔ (آمین)

✵✵✵

ابولہب، نفس اور دونوں ہاتھ، شہوت وغضب

ایک روز عصر کی نماز ادا کر کے ''شاہ صفی اکیڈمی'' کے آفس میں بیٹھے تھے کہ شیخ کریم ادام اللہ ظلہ علینا، مولوی عبدالقیوم صاحب کے ساتھ تشریف لائے۔ شیخ کی آمد سے مجلس کا مزاج بدلا اور عام گفتگو کی جگہ خاص گفتگو، یعنی: دینی، اخلاقی اور عرفانی باتیں شروع ہوگئیں۔ اِدھر ہم اپنے احباب کے ساتھ خیر کا انمول ذخیرہ جمع کرنے لگے کہ اسی دوران قرآن کریم کی تفسیر کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا: جو لوگ تفسیر بالرائے کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ: يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ۔ (نماز قائم کرتے ہیں)، اس سے نماز ادا کرنے کا ثبوت نہیں، صرف قائم کرنے کا حکم ہے اور نماز قائم ہے، اسی طرح وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ کا معنی یہ لیتے ہیں کہ حضرت علی، عظیم ہیں، ایسے لوگ سخت گمراہ ہیں۔

البتہ! تفسیر اشاری یعنی منقول تفسیر کو باقی رکھتے ہوئے کوئی لطیف معنی مراد لینا جو نفس وروح کی تربیت کے لیے مفید ہو۔ یہ صوفیا اور مشائخ کا طریقہ رہا جو اُن کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہے، جیسے:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں)

اس کی منقول تفسیر پر تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ، ابولہب اور اس کی بیوی کے بارے میں نازل ہوئی، جس میں اس کی ہلاکت کی بات کہی گئی ہے اور اس سے ایک واقعہ کی جانب اشارہ ہے۔ اس آیت کے ظاہری معنی پر مکمل طور سے ایمان رکھتے ہوئے صوفیا نے اس آیت کی تفسیر اشاری کی ہے اور تَبَّتْ يَدَآ میں دونوں ہاتھ سے مراد ''شہوت'' اور ''غضب'' کو لیا ہے اور کہا ہے کہ:

ابولہب (نفس) کے دونوں ہاتھ یعنی ''شہوت وغضب'' ٹوٹ جائیں، کیونکہ جب تک یہ دونوں ٹوٹیں گے نہیں، اس وقت تک انسان ان کی شرارت کی زد میں رہے گا، اس لیے بندہ کو ہمیشہ ان دونوں کے لیے ہلاکت کی دعا کرنا چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو۔ (جہانگیر حسن مصباحی)

انجم راہی

ذکر الٰہی اصل زندگی ہے

اکثر چیزوں سے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، کبھی ایک جماعت اس کو صحیح قرار دیتی ہے تو دوسری جماعت اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے مگر دو کلمے ایسے ہیں جس نے پوری انسانیت کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کر رکھا ہے، اس کے بارے میں کسی بھی جماعت کے لیے چون و چرا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، ماننا ہے تو بس ماننا ہے، اگر کوئی کم عقل نہ بھی مانے تو ایک دن ایسا آتا ہے اُسے ماننے کی مہلت بھی نہیں مل پاتی اور اس سے پہلے کہ وہ مانے، اس دنیا ہی سے چلا جاتا ہے۔ آخر وہ کون سا لفظ ہے جس نے پوری انسانیت کو اس اختلافی دور میں بھی متحد کر رکھا ہے؟ اس کا سیدھا سا جواب ملے گا:

هُوَ الْحَيَاةُ وَالْمَمَات۔ (وہ زندگی اور موت ہے)

زندگی اور موت کسے کہتے ہیں ہر شخص اس سے بخوبی واقف ہے۔ عام طور سے زندگی کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک انسان کھائے پیے، چلے پھرے اور اٹھے بیٹھے وہ زندہ ہے اور جب یہ ساری چیزیں بند ہو جائیں تو وہ مردہ ہے مگر زندگی اور موت کا حقیقی مفہوم وہ ہے جسے سمجھنا ہر انسان کے لیے بے حد ضروری ہے۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی اور موت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهٗ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ (بخاری، باب ذکر اللہ)

ترجمہ: اس کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔

ایک دوسری حدیث پاک میں ہے:

ذَاكِرِيْنَ اللهِ فِي الْغٰفِلِيْنَ كَالشَّجَرِ الْاَخْضَرِ۔

(احیاالعلوم، کتاب الاذکار والدعوات)

ترجمہ: اللہ کے ذکر کرنے والے؛ غافلوں کے درمیان سرسبز شاداب درخت کی طرح ہیں۔

ان دونوں احادیث کریمہ میں صاف طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا اور غفلت میں گرفتار ہے وہ مردہ ہے، اگرچہ وہ بظاہر چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا ہے۔ اسی طرح اللہ کو یاد کرنے والے ہرے بھرے درخت کی طرح ہیں اور جو اللہ کو یاد نہیں کرتے وہ سوکھے درخت کی طرح ہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یاد الٰہی تمام عبادتوں کے لیے مغز کی حیثیت رکھتی ہے۔ عبادتوں میں تسلسل تو ہو لیکن دل؛ اللہ کی یاد سے غافل رہے تو یہ بڑی محرومی ہے، کیونکہ ذکر الٰہی کو بڑا قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ۔ (عنکبوت:۴۵)

ترجمہ: اللہ کو یاد کرنا بہت بڑی بات ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک انسان کی تمام تر کامیابی اسی میں ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے رب کو یاد کرے، جیسا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (جمعہ:۱۰)

ترجمہ: اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو شاید کہ تم فلاح پا جاؤ۔

جب بندہ یکسو ہو کر اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اس کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔

(آل عمران:۱۹۱)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کو اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے یاد کرتے ہیں۔

یا وہ اس آیت کے مصداق ہیں:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ۔ (اعراف:۲۰۵)

ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو انکساری کے ساتھ اور اللہ کے خوف سے، صبح وشام آہستہ آہستہ اور غافلوں میں نہ ہو جانا۔

تو ایسے بندوں پر انعام الٰہی یہ ہوتا ہے کہ رب اپنے ان بندے کو یاد فرماتا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔ (بقرہ:۱۵۲)

ترجمہ: تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔

مگر یہ بھی یاد رہے کہ ذکر صرف چند اوراد ووظائف کو زبان پر لانے کا نام نہیں ہے، بلکہ اصل ذکر تو گناہوں سے بچتے ہوئے احکام الٰہی بجالانے کا نام ہے۔

اسی وجہ سے اَفْضَلُ الذِّكْرِ الصَّلٰوةُ۔ (ذکرِ صلوٰۃ سب سے افضل ہے) کہا جاتا ہے، اس لیے کہ نماز تمام گناہوں سے روک کر اطاعت الٰہی کی جانب مائل کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ (عنکبوت:۴۵)

ترجمہ: بیشک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور یقیناً اللہ کا ذکر بڑا ہے۔

مگر افسوس کہ آج انسان دنیاوی خواہشات میں پھنس کر اور اخروی زندگی سے رشتہ توڑ کر اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی میں ملوث (مبتلا) ہے۔

ہر روز مؤذن پانچ مرتبہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کی آوازیں لگاتا ہے۔ مگر انسان نماز اور کامیابی کی طرف آنے کے بجائے کاروبار میں مصروف رہتا ہے۔

ہم یہ بھول رہے ہیں کہ ہماری زندگی ایک برف کی مانند ہے جو ہر آن پگھلتی رہتی ہے۔ برف کا سب سے اچھا تاجر وہ ہوتا ہے جو برف پگھلنے سے پہلے فروخت کردے، اسی طرح زندہ انسان وہی کہلائے گا جو اپنی زندگی کے چند روز گزرنے سے پہلے ہی اپنے رب کے ذکر وفکر میں لگ جائے:

ذکر سے غافل نہ ہو تو اک گھڑی
ذکر ہے مردِ خدا کی زندگی

✲✲✲

آپ کے میل/ ایس ایم ایس/ فون کا انتظار ہے!

☆ ماہنامہ خضر راہ کے مضامین آپ کو کیسے لگتے ہیں؟ ☆ ماہنامہ خضر راہ میں آپ کا پسندیدہ کالم/مضمون؟

☆ ماہنامہ خضر راہ پڑھنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ ☆ ماہنامہ خضر راہ کو خوب تر بنانے کے لیے آپ کا کوئی مشورہ؟

☆ ماہنامہ خضر راہ میں کوئی ایسی چیز جو آپ کو پسند نہیں؟

E-mail: khizrerah@gmail.com

موبائل: 9312922953

قارئین

آپ کے SMS

مکرمی! میں نے آپ کے خضر راہ کا مطالعہ کیا۔ یہ انسان کو حقیقت میں مومن بنانے والا رسالہ ہے۔ اس کے مضامین کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب یہ رسالہ پوری دنیا کو دین سمجھاتا ہوا نظر آئے گا۔ محمد حنیف مصباحی
شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم، قصبہ بھوجپور، مراد آباد

ماہنامہ خضر راہ کا ایک سالہ سہانا سفر پورا ہوتا دیکھ کر آج بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ اس ایک سال میں میں نے اس سے جتنا استفادہ کیا اس کے متعلق میں بغیر ریا کاری کہ یہ کہوں گا کہ یہ ماہنامہ ایک ''طالب صادق'' مرید کے لیے پیر کے ذریعے بھیجا گیا وہ ''خط'' ہے جس سے مرید ہر مہینے تربیت پاتا رہے۔ تعریف جتنی بھی کروں کم ہی ہے۔ فروری، مارچ کے شمارے میں مضمون ''اللہ کے بندوں سے جہاں خالی نہیں ہے'' بہت پسند آیا۔ ساتھ ہی ساتھ حضور داعی اسلام کی عرفانی مجلس سے بھی بہت لطف اندوز ہوا۔ ماہنامہ کو اور مفید بنانے کے لیے ''جنرل نالج'' کے طور پر کچھ لکھیں تو بہتر رہے گا۔ دعا ہے کہ خضر راہ کی ٹیم پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بادل ہمیشہ منڈلاتے رہیں۔ (آمین)
محمد قیس خان، مدرسہ غوثیہ، ممتاز العلوم، ممبئی، کوشامبی

محترم! جنوری ۲۰۱۳ کا شمارہ نظروں سے گزرا۔ پڑھ کر دل کو سکون ملا۔ عام الفاظ میں خوبصورت تحریریں ہیں۔ اللہ آپ تمام کو جزائے خیر دے اور خضر راہ کو آسمان کی بلندیاں عطا کرے۔ محمد نصیر اللہ، گلبرگہ، کرناٹک

''دعوت قرآن'' بہت ہی اچھا ہے، لیکن اسے اور مختصر کرنے کی پوری گنجائش ہے۔ بسم اللہ سے لے کر الم تک صرف ایک ہی آرٹیکل ہونا چاہیے۔ محمد ابوظفر سعیدی، دربھنگہ

فروری، مارچ ۲۰۱۳ کا شمارہ موصول ہوا۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ رسالہ ہر اعتبار سے لائق تحسین ہے۔ بزم احباب میں سلام پیش فرمادیں۔ محمد تحسین، کانپور

خضر راہ اور بھی خوبصورت بن سکتا ہے، اگر اس رسالے میں چھوٹے چھوٹے مسائل ہوں، جیسے: نماز جنازہ لے جانے کا طریقہ۔ قرآن شریف کی آیتوں کی تعریفیں اور کس کی فضیلت کیا ہے۔ قیامت کا منظر کیا ہے۔ امام اور مؤذن کو کتنا پرہیزگار ہونا چاہیے، جیسے جو پاتا ہے وہ مسجد میں جا کر اذان دے دیتا ہے۔ نمازی ہے مگر اذان کے بعد کی دعا اُسے یاد نہیں، اگر اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے مسائل ہوں، اسے سوال و جواب کے کالم سے خوبصورت بنایا جاسکتا ہے۔ پرویز عالم، شیر گھاٹی، گیا (بہار)

میں نے خضر راہ کے ہر رسالے کا مطالعہ کیا، فروری مارچ ۲۰۱۳ کے رسالے میں ہر ٹاپک ہی قابل تعریف، عمدہ اور دینی تحفہ ہے۔ خاص کر ''صلح ومصالحت ہماری دینی ضرورت''۔ میری ایک گذارش ہے کہ آپ اگر وضو، غسل، نماز وغیرہ کے طریقے اور دینی تاریخ، آزادی میں مسلمانوں کی حصہ داری کو یکے بعد دیگرے سہولت کے مطابق ہر رسالے میں بتاتے تو بہتر ہوتا۔ آج کے معاشرہ کے لیے یہ ضروری ہے۔ ڈاکٹر محمد فیض مبین، بودھ گیا (بہار)

ماہنامہ خضر راہ بار بار مطالعہ کرتا آیا ہوں۔ اس میں بہت عارفانہ مواد ہوتے ہیں۔ دانش عطاری، جھارکھنڈ

مکرمی! ماہنامہ خضر راہ کے پڑھنے سے اسلامی معلومات میں اضافہ ہوا۔ آسیہ شیخ، شعلہ پور، مہاراشٹر

نوٹ: وضو، نماز اور غسل کے مسائل وطریقے پچھلے شماروں میں ملاحظہ کریں۔ اللہ نے چاہا تو آپ کے باقی مشوروں پر عمل کیا جائے گا۔ شکریہ
E-mail: khizrerah@gmail.com, 9312922953

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آماجگاہ	ٹھکانہ،منزل	استغراق	کسی چیز میں ڈوب جانا
آبِ زر	اچھے حروف، سونے کا پانی	افتادطبع	مزاج، عادت، طبیعت
امرونہی	حکم اور ممانعت	اسیر	غلام، قیدی
اثاثہ	سامان، دولت، سرمایہ	باستثنائے عارفین	اللہ کے نیک بندوں کو چھوڑ کر
ارباب اعتدال	بیچ کی راہ اختیار کرنے والے	بقید حیات	زندہ، زندگی کی قید میں
اسم اعظم	اللہ کا نام جو زیادہ پر اثر ہو	بدایت	شروعات
از راہ ہوس	لالچ میں	باز پرس	پوچھ تاچھ کرنا، حساب لینا
اشک بار	آنسو بہانے والا	پیرہن	لباس،قمیص،لبادہ
امور ازلی	اللہ کے وہ فیصلے جو ہمیشہ سے ہیں	تیز گامی	تیزی سے آگے بڑھنا، تیز چلنا
استعانت	مدد طلب کرنا	تصلب	حق پر مضبوطی سے جمارہنا
اعراض	منھ پھیرنا، بچنا	توسع	فراخ دلی، علما کے اختلاف کو قبول کرنا
اسلاف بیزاری	بزرگوں سے نفرت ودشمنی	تثلیث	تین حصوں والی کوئی چیز، تکڑی
انتساب	نسبت کرنا،منسوب ہونا	تجدید وفا	کسی عہد کو پورا کرنے کے لیے وعدہ کرنا
ارکان ثلاثہ	تین بنیادی ارکان	تجاوز	حد سے بڑھنا، گزرنا
احسان شناسی	احسان ماننا،شکر بجالانا	تضاد	مخالف، الٹا، جیسے رات کے مقابلے میں دن
استقامت	کسی چیز پر قائم رہنا، جمارہنا	تصادم	ٹکراؤ
احتساب	جانچنا، جائزہ لینا	تفسیر اشاری	ظاہری تفسیر کے ساتھ معنوی تفسیر جس میں باریکی ہو
استعارہ	مشابہت کی وجہ سے کسی لفظ کا مجازی معنی	تفاخر	فخر کرنا، فخر کا اظہار کرنا

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تنویر	روشن کرنا	منقول	نقل کیا ہوا، روایت کا علم
حرزِ جاں	بہت زیادہ پیارا	معاصر	ہم زمانہ، ایک زمانے میں رہنے والا
خدوخال	چہرہ مہرہ، شکل وصورت	مغلوب السماع	بہت زیادہ صوفیانہ قوالی سننے والا
خلوت گزیں	تنہائی میں رہنے والا	مضمر	پوشیدہ
دائمی نعمت	ہمیشہ رہنے والی نعمت	منحرف	حق کی راہ سے ہٹا ہوا
دوآتشہ	بہت عمدہ، دوبالا حسن والا	مہاجر	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے والا
زندیقوں	زندیق کی جمع، دین سے ہٹا ہوا	مربی	پرورش کرنے والا، تربیت کرنے والا
سیمابی شخصیت	مثالی انسان، پرکشش	متغیر	بدلا ہوا
سماع مزامیر	صوفیانہ موسیقی سننا جس اللہ یاد آئے	مجمع البحرین	دوطرح کے علم کا مجموعہ، دوسمندروں کا سنگم
سوئے ظنی	بدگمانی	مطب	ڈسپنسری، علاج کرنے کی جگہ
شکررنجی	ہلکی پھلکی رنجش، دشمنی	مثبت ومنفی	اچھا اور برا
طرفہ	انوکھی بات	ملفوظات	بزرگوں کے زبانی ارشادات
عقاب نگاہی	دوراندیشی، حالات پر مکمل نظر رکھنا	مستفیض	فیض حاصل کرنے والا
غواص	غوطہ لگانے والا	ممدوح	جس کی تعریف کی جائے
غماز	اشارہ کرنے والا	معصیت	گناہ
فاسق	گناہ کرنے والا	مراقبہ	اللہ کی یاد میں ڈوبا رہنا
فردبشر	انسان، شخص	واجب التحریر	جس بات کا لکھنا ضروری ہے
فقہ رفع خلاف	اختلاف دور کرنے کا ہنر/علم		
کم وکیف	مقدار اور حالت		
ملحدوں	ملحد کی جمع، بے دین		
محو	مٹانا، ختم ہونا		

ماہنامہ خضر راہ کا پانچ سالہ
ممبر بنیں
صرف -/900 روپے میں

نوٹ: مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی ومفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ماہنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

الٰہ آباد واطراف

ابومیانز شاہی اسٹور، نوراللہ روڈ، الٰہ آباد-9839457055

محمد قیس خاں، ممتاز العلوم، تنمئ، کوشامبی۔9936890704

محمد زبیر عالم، گریاواں، منصور آباد، الٰہ آباد-9795252994

محمد امتیاز، کنڈا، پرتاپ گڑھ، یوپی-8808646082

حجاز بک ڈپو، سیف آباد، پرتاپ گڑھ، یوپی-9839112969

عمران احمد، بابو پوروا، کانپور-9839101833

مولانا منور حسین، سمنان گارڈن، لکھنؤ-9889245245

حافظ نیر اعظم، کینٹ روڈ، لال باغ، لکھنؤ-9125139191

امام مسجد بداخاں، کھٹک پورہ، فرخ آباد، یوپی-8858839054

مدرسہ فیض العلوم صابریہ، گاندھی نگر، آگرہ-9286192523

نور نبی بک سیلر، ڈالمنڈی، وارانسی

ممبئی واطراف

قاری سرفراز، دھاراوی، ممبئی-9819291874

شیخ جاوید اقبال، شیلیس نگر، ممرا، مہاراشٹر-9322865066

محمد ابراہیم، شولا پور، مہاراشٹر-9421067863

ابراہیم۔منگل گیری، شولا پور-9421067863

عبدالوہاب، ہاؤسنگ بورڈ، مڈگاؤں، گوا-9763900918

عادل نورانی، الامین مسجد، سلطانیہ جمخانہ، سورت-9879657766

گلشن میڈیکیئر، سکندر آباد، حیدر آباد-27716760

خادم بکڈپو، پراسیا، چندواڑہ، ایم پی-9039090386

جنوبی ہند واطراف

محمد سلمان، سلاگٹہ، چکبالم پور، کرناٹک-9880095263

مولانا مشتاق، بیلگام، کرناٹک-8147449067

عزیز صدیق احمد، H.K.P. روڈ، بنگلور-9343324034

غلام ذوالنورین، حسینی مسجد، بیکانیر-9460172623

قریشی نیوز ایجنسی، رجک سینیما روڈ، راورکیلا، اڑیسہ 9439499458

حافظ شبیر شاداب، دُرگ، چھتیس گڑھ-7869230382

روشن درسی کتب خانہ، موتی نالہ، جبل پور-9752705786

دہلی واطراف

خواجہ بک ڈپو، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔9910865854

مولانا عبدالودود، النور مسجد، جنک پوری، دہلی-9650203792

راجا اسٹیشنری، شاہین باغ، Ext. روڈ، نئی دہلی-9891590739

مولانا شفیق، مسجد عمر فاروق، شاہین باغ، دہلی-9716559786

الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور II، دہلی-9650934740

شاہ صفی اکیڈمی، بٹلہ ہاؤس، دہلی-9910865854

حافظ ہارون، قلعہ والی مسجد، اٹاوہ، 07417842567

محمد ارشد خان، کشمیری گیٹ، فیروز آباد، یوپی-9259589974

گلاٹی، نیوز ایجنسی، بس اسٹنڈ مہرولی، دہلی۔9250225954

کولکاتا واطراف

نیوز پیپر ایجنٹ، رابندرا سارانی، کولکاتا-9748210140

بک اسٹال، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا، 16۔9330643486

خانقاہ نعمتی مٹیا برج، کولکاتا-09831746380

مدرسہ سلیمیہ فیض العلوم، کمرہٹی، کولکاتا-9748421851

نسیم بک ڈپو، کولوٹولہ، کولکاتا-9339422992

رضا بک سینٹر، روشن گلدار لین، ٹکیہ پارہ، ہاوڑہ-9330462827

نوری بک ڈپو، پاچھور سیا، گنجریا بازار، اتر دیناجپور۔09734035478

انجمن وابستگان سلاسل تصوف، گنجریا، اسلام پور۔08972468561

بہار واطراف

نوری بک سیلر، پورب چوک، بائسی، پورنیہ۔08986235393

امدادیہ بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ-9835523993

محمد اجمل، جپلا، پلامو، جھارکھنڈ-9430003405

دلکش بک ڈپو، رام گڑھ، جھارکھنڈ-9798306353

بک ایمپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ-9304888739

مراد علی، بارون بازار، اورنگ آباد، بہار-9507840625

انصار بک ڈپو، بارہ پتھر، ڈہری اون سون-8603741579

مدرسہ عارفیہ سعید العلوم، نہوٹا شیر گھاٹی، گیا-9939479919

رضا بک سیلر، کمپنی باغ، مظفر پور، بہار-9431475679

دار العلوم تاج الشریعہ، مصری گنج، مدھوبنی-9931431786

مکتبہ واجدیہ، قلعہ گھاٹ چوک، دربھنگہ، بہار۔9304514097

عامر نانگبوری، ہاویل روڈ، لابان، شیلانگ، میگھالیہ-8794042067

نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں:9312922953

شرح اشتہارات اورسالانہ ممبرشپ کی تفصیل

SUBSCRIBE TODAY:

Fill in this form with your details for subscription and mail along with your cheque/DD to the following address:

SHAH SAFI ACADEMY

Jamia Arifia, Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad, U.P Pin: 212213

Cheque/DD In favour of, **"SHAH SAFI ACADEMY"**

HDFC Bank A/c No. 22631450000118

Name:...

Village:...

City.........................State...........................Pin Code:..................

Tel. No:......................................E-mail:......................................

MAHNAMA KHIZR-E-RAH SUBSCRIPTION FARE:

One Year : 200

Five Years : 900

Life Time : 5000

ADVERTISING RATES:

Cover page Colour	Half Page Colour	Black & White
Back Cover 10000.00	Back Cover 5000.00	Full Page 3000.00
Front Inside Cover 8000.00	Front Inside Cover 4000.00	Half Page 2000.00
Back Inside Cover 8000.00	Back Inside Cover 4000.00	

ADVERTISING AND SUBSCRIPTION OFFICE

Shah Safi Academy, Jamia Arifia,
Saiyed Sarawan, Kaushambi,
Allahabad,(UP) Pin: 212213
Mob: 9312922953, 08382923993
E-mail: khizrerah@gmail.com